بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْم وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن.

''إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ''(سورۃ الفاطر:۲۸)

اللہ سے اس کے بندوں میں سے وہی لوگ ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔

(علم کی روشنی)

کے موضوع پر

لجنہ علمیہ، ریاض کی چھٹی ورکشاپ

۱۳ صفر ۱۴۳۶ھ=۵ دسمبر ۲۰۱۴ء بروز جمعہ بعد نماز مغرب وعشاء بمقام مشعل استراحہ

عنوان	مقالہ نگار	صفحہ نمبر
۱) حصول علم کی اہمیت	مولانا محمد شعیب قاسمی	۲
۲) علماء کا مقام ومرتبہ قرآن وحدیث کی روشنی میں	مولانا محمد ارشد قاسمی	۶
۳) برصغیر کے علماء کی قرآن وحدیث کی خدمات	مولانا جاوید اختر قاسمی	۱۱
۴) تعلیم نسواں اور بچوں کی تربیت	مولانا عبدالرحمٰن عمری	۱۶
۵) دینی مدارس اسلام کے قلعے ہیں	مولانا عبدالرزاق قاسمی	۱۹
۶) عصری درسگاہوں میں دینی تعلیم کی ضرورت	مولانا اشرف علی قاسمی	۲۳
۷) دینی وعصری علوم۔ایک تقابلی جائزہ	مولانا شفیق احمد قاسمی	۲۷
۸) خلاصۂ مقالات	مولانا محمد نجیب قاسمی	۳۰

مولانا انعام الحق قاسمی، مولانا محمد ہارون قاسمی، محمد سلیم بن محمد شمیم قاسمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حصولِ علم کی اہمیت

محمد شعیب گورکھپوری قاسمی

سلمان بن عبدالعزیز یونیورسٹی، الخرج

علم کی تعریف: کسی شئ کی حقیقت کو جاننے کا نام علم ہے، علم کا اطلاق بہت سے معانی پر ہوتا ہے، جیسے عقائد کا علم، زبان کا علم، نسب کا علم، علوم طبعیہ جیسے ریاضیات اور فزکس اور جدید علوم جیسے کمپیوٹر، جدید ٹکنالوجی اور انٹرنٹ وغیرہ۔

اگر مذاہبِ عالم کی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے ہوجائے گی کہ مذہبِ اسلام نے علم اور حصول علم پر جس قدر زور دیا ہے دیگر مذاہب میں اس کی مثال ملنی مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

قرآن کریم کی سب سے پہلی وحی جو ہمارے پیارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اس میں حصول علم کا ہی حکم ہے اور یہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ذریعہ آپ کی امت کے ہر فرد کو شامل ہے۔ پہلی بابرکت اور ایک عظیم انقلاب برپا کرنے والی وحی کی ابتدا یوں ہوتی ہے:

اِقْرَأْ بِاسمِ رَبِّکَ الَّذی خَلَقَ ، خَلَقَ الإنْسَانَ مِنْ عَلَق ، اِقْرأْ وَرَبُّکَ الأکْرَمُ الَّذی عَلَّمَ بِالقَلَمِ ، عَلَّمَ الإنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَم (سورۃ اقرأ: ۱-۵)

ان پانچ آیات کے ذریعہ اللہ جل جلالہ نے اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے ہر شخص کو پڑھنے کا حکم دیا اور اس علم کے حصول کی ترغیب دی جو خالق کو پہچاننے کا ذریعہ بنے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے علم کو کتنی اہمیت بخشی ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ لفظ ''علم'' اپنے مختلف مشتقات کے ساتھ ۷۷۹ مرتبہ قرآن پاک میں وارد ہوا ہے اور ان کے علاوہ ان الفاظ کی بھی ایک بہت بڑی تعداد ہے جو معنی علم کی طرف اشارہ کرتے ہیں، مثلاً: یقین، ہدیٰ، عقل، فکر، نظر، حکمت، برہان، دلیل، حجۃ، آیۃ، بینۃ وغیرہ۔

احادیث پاک میں جس کثرت سے علم اور حصول علم کی فضیلت کا ذکر ہے اس کا احاطہ کرنا محال ہے، چند احادیث پر اکتفا کیا جاتا ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**إنَّ اللّٰہَ وَمَلائِکَتَہُ وأھْلَ السَّمَاوَاتِ وَالأرْضِ حَتّی النَّمْلَۃُ فِی حُجْرِھَا وَحَتّی الحُوتُ فِی جَوفِ البَحرِ یُصَلُّونَ عَلیٰ مُعَلِّمِ النَّاسِ خَیراً**'' (سنن ترمذی) بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے، آسمان اور زمین والے یہاں تک کہ چیونٹی اپنے بل میں اور مچھلیاں سمندر کی گہرائی میں لوگوں کو خیر اور بھلائی کی بات سکھانے والوں کے لیے دعا کرتی ہیں۔

ایک دوسری جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''**مَن یُرِدِ اللّٰہُ بِہِ خَیْراً یُفَقِّھْہُ فِی الدِّینِ**'' (صحیح بخاری) اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں۔ ایک اور مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طالب علم کی کچھ اس طرح حوصلہ افزائی فرمائی: ''**مَنْ سَلَکَ طَرِیقاً یَلْتَمِسُ فِیہِ عِلْماً ، سَھَّلَ اللّٰہُ لَہ بِہ طَرِیقاًإلَی الجَنَّۃِ**'' (صحیح مسلم) جو شخص علم کی طلب اور تلاش میں ایک راستہ پر چلا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرمادیتے ہیں۔ علم اور حصول علم کو پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کرام کی میراث قرار دیا ہے، اس سے بڑھ کر علم کی فضیلت اور کیا ہوسکتی ہے، چنانچہ حدیث نبوی ہے: ''**إنَّ الأنْبِیَاءَ لَمْ یُوَرِّثُوْا دِرْھَماً وَلا دِیْنَاراً وَإنَّمَا وَرَّثُوْا العِلْمَ ، فَمَنْ أخَذَہ أخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ مِن مِیرَاثِھِم**'' (سنن أبو داؤد) یعنی انبیاء کرام ورثہ میں درہم اور دینار

چھوڑ کرنہیں جاتے بلکہ علم چھوڑ کر جاتے ہیں تو جس نے علم حاصل کیا اس نے انبیاء کرام کی میراث کا ایک وافر حصہ حاصل کیا۔

علم کی ضرورت: علم زندگی کا نور ہے، تمام بھلائیوں، عظمتوں، بلندیوں اور شرف کے حصول کا واحد ذریعہ ہے، علم ہی سے انسان اپنا دین، اپنی دنیا اور اپنے حقیقی مقصد کو پہچانتا ہے۔ زندگی کی بہت سی مشکلات ہم علم کے ذریعہ ختم کرتے ہیں، علم ہی کے ذریعہ ہم اپنے اندر کی چیزوں کو تنقیدی زاویہ سے سوچنے کی صلاحیت پیدا کرتے ہیں۔ علم ہماری زندگیوں میں خوشیاں لاتا ہے، علم زندگی کے ہر موڑ پر ہماری مدد کرتا ہے اور علم کا سب سے بڑا فائدہ ہماری زندگی میں یہ ہے کہ یہ ہمیں ہماری حقیقت سے آگاہ کرتا ہے۔ علم اس گھر کو بھی رفعت بخشتا ہے جس کے پائے نہ ہوں اور جہالت عزت وشرف والے مکان کی تباہی کا باعث بن جاتا ہے۔ دنیا اور آخرت کی سعادت کی بنیاد علم ہے، علم تمام اعمال میں سب سے افضل ہے اور کیوں نہ ہو، کسی چیز کی فضیلت اس کے نتیجہ کی فضیلت سے ناپی جاتی ہے اور علم کا نتیجہ رب العالمین کا قرب ہے جو ہماری زندگی کا حقیقی اور واحد مقصد ہے اور ہماری تمام جدوجہد کا عین مطلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ورسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو علم کے علاوہ کسی اور چیز کی زیادتی کی طلب کا حکم نہیں فرمایا، چنانچہ حکم دیا گیا: ''وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْماً ''(سورة طٰهٰ: ١١٤) آپ کہئے: ''اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما''۔ علم ایمان کی علامات میں سے ہے اور جہالت اہل جہنم کی صفات میں سے ہے۔ علم نوافل سے بہتر ہے اور ایک عظیم جہاد ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مَنْ جَاءَ مَسْجِدِي هٰذَا لَمْ يَأتِهِ إِلَّا لِخَيْرٍ يَتَعَلَّمُه أَوْ يُعَلِّمُه فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ المُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ''(سنن ابن ماجه) ترجمہ: جو شخص میری اس مسجد میں صرف اچھی اور خیر کی بات سیکھنے یا سکھانے کے مقصد سے آتا ہے اس کا مرتبہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کے برابر ہے۔ دینی علوم انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ اس کا رب کون ہے، اس کے رب کی صفات کیا ہیں، انبیاء کرام کون ہیں، ان کے اوامر کیا ہیں اور ان کے نواہی کیا ہیں؟ ایک انسان ان تمام باتوں کو جاننے اور اس کے مقتضا پر علم کرنے کے بعد پرامن زندگی بسر کرتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ علم کے شرف کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ شخص بھی علم کا دعویٰ کرتا ہے جو اس کا اہل نہیں اور جہالت کی عار کے لیے اتنی سی بات بہت ہے کہ جاہل بھی جہالت سے برأت کا اظہار کرتا ہے۔

علم، ایمان اور عمل: اسلام کی نظر میں علم اور حصول علم کی کوشش کی تمام مذکورہ بالا فضائل کے باوجود کوئی بھی اہمیت نہیں ہے اگر وہ علم ایمان سے خالی ہو، قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے علم اور ایمان کو ایک ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے، چنانچہ سورۂ روم کی آیت نمبر ۵۶ میں ہے: ''وَقَالَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا العِلمَ وَالإِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِي كِتَابِ اللّٰهِ إِلىٰ يَومِ البَعْثِ ''اور ان لوگوں نے کہا جن کو علم اور ایمان عطا کیا گیا کہ تم لوگ جیسا کہ کتاب اللہ میں ہے یوم قیامت تک پڑے رہے۔ اور سورۂ مجادلہ آیت ۱۱ میں ہے: ''يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُم وَالَّذِينَ أُوْتُوْا العِلْمَ دَرَجَات ''اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے درجات کو بلند فرماتے ہیں جو ایمان لائے اور جنہیں علم دیا گیا۔ علم اور ایمان کے علاوہ جو تیسری چیز انتہائی اہمیت کی حامل ہے وہ عمل ہے۔ اسلام کی نظر میں حصول علم کا مقصد اس پر عمل کرنا ہے، ورنہ وہ علم صاحبِ علم کے لیے وبال جان بن جاتا ہے۔ اسلام نے علم کے اس پہلو پر سب سے زیادہ توجہ دی ہے اور اجر ونجات کا انحصار عمل ہی پر رکھا ہے۔ بے شمار وعیدیں اور مذمت اس شخص کے بارے میں وارد ہوئی ہیں جو اپنے علم پر عمل پیرا نہیں ہے، قرآن پاک میں ہے: ''أَتَأمُرُوْنَ النَّاسَ بِالبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُم وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ ، أَفَلا تَعْقِلُون ''(سورة البقرة: ٤٤) کیا تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو اور تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو، کیا سمجھتے نہیں ہو۔ حدیث پاک میں ہے: ''مَنْ تَعَلَّمَ عِلْماً مِمَّا يُبْتَغىٰ بِهِ وَجْهُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ لا يَتَعَلَّمُه إلا لِيُصِيْبَ بِه عَرَضاً مِنَ الدُّنْيا لَمْ يَجِدْعَرْفَ الجَنَّةِ يَوْمَ القِيَامَةِ (يَعْنِي رِيْحَهَا) ''(سنن أبو داؤد و سنن ابن ماجه) جس شخص نے علم سیکھا

جس سے اللہ کی رضا حاصل کی جاتی ہے اور وہ صرف دنیا کے سامان کے حصول کے لیے سیکھتا ہے تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو نہیں پائے گا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ابن آدم کا قدم اپنے رب کے سامنے سے اس وقت تک نہیں ہٹ سکتا جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں پوچھ نہ لیا جائے اور ان پانچ چیزوں میں سے ایک یہ ہے کہ اپنے علم پر کیا عمل کیا (معجم طبرانی)۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس علم سے پناہ مانگا کرتے تھے جو نفع بخش نہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ: ''اس علم کی مثال جس پر عمل نہ کیا جائے اس خزانہ کی طرح ہے جس کو اللہ کے راستہ میں خرچ نہ کیا جائے''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ''وہ شخص تم کو دھوکہ میں نہ ڈالے جو قرآن پڑھتا ہے، بلکہ اس شخص کو دیکھو جو اس پر عمل کرتا ہے''۔

علوم شرعیہ کی اہمیت: اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے جتنے بھی انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا ان سب کا مقصد لوگوں کو اللہ کی طرف بلانا تھا اور ایک داعی کی تخلیق میں سب سے بڑا عنصر علم ہوتا ہے۔ سردار انبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی سب سے پہلی وحی میں آپ کو پڑھنے کا حکم دینا اور علم کا ذکر اس بات کی روشن دلیل ہے کہ علم اس دین کو، دنیا کو اور آخرت کو سمجھنے کی کنجی ہے، علم ہی کی روشنی میں دعوت کا کام پایۂ تکمیل تک پہنچ سکتا ہے، شریعت کا علم ہمارے لیے کھانے، پینے، لباس اور دوا سے بھی زیادہ ضروری ہے، اس لیے کہ علم شریعت ہی سے دین و دنیا کی بقا ہے، علم عبادت کی بنیاد ہے، نماز پڑھنے کے لیے ہمیں ایک عالم کی ضرورت ہے جو ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیسے نماز پڑھتے تھے، نماز کے ارکان کیا ہیں، فرائض کیا ہیں، سنتیں کیا ہیں۔ علم شریعت کے بغیر نہ نماز پڑھی جاسکتی ہے، نہ روزہ رکھا جاسکتا ہے، نہ زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے، نہ جہاد کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی فریضۂ حج ادا کیا جاسکتا ہے۔

عقیدہ کی سب سے مشہور کتاب ''شرح العقیدۃ الطحاویۃ'' میں ہے کہ ''اصول دین کا علم تمام علوم میں سب سے اشرف ہے اور اسی لیے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اصول دین کے بارے میں جو کچھ کہا اور صفحات میں جمع کیا اس کا نام ''الفقہ الاکبر'' رکھا۔ بندوں کو اس کی ضرورت تمام ضرورتوں پر فوقیت رکھتی ہے، اس لیے کہ وہ قلوب مردہ ہوتے ہیں جو اپنے رب کو نہ پہچانے، دلوں کی زندگی اور اس کا اطمینان وسکون اپنے رب، اپنے معبود اور اپنے خالق و مالک کو اس کے اسماء وصفات اور افعال کے ساتھ جاننے میں مضمر ہے''۔ (ص ۱۷)

کسی قوم کی گمراہی اور بددینی کی وجہ صرف اور صرف علم دین سے دوری اور خواہشاتِ نفسانی کی اتباع ہے، بدعتیوں، گمراہوں اور غلو کرنے والوں کے احوال کے بارے میں اگر غور کریں تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ لوگ یا تو شریعت کے علوم سے بے خبر تھے یا خواہشاتِ نفسانی کے مرض میں مبتلا تھے۔ لوگ گناہِ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں، معاصی کے دلدل میں پھنستے جاتے ہیں، کمزوروں کے حقوق کو ہضم کر جاتے ہیں اور انہیں اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ ان کے یہ اعمال محرمات میں سے ہیں جن پر دنیا و آخرت میں شدید ترین سزائیں مرتب ہوں گی، اگر انہیں شریعت کا علم ہوتا تو ان گناہوں کا ارتکاب کرنے کی جرأت بھی نہ کرتے

جدید علوم: علم کی فضیلت اور اہمیت صرف علوم شرعیہ کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ اس علم کو بھی محیط ہے جو مسلمان اور تمام انسانیت کے لیے نفع بخش ہو جب تک کہ وہ مقاصد شریعت کے ساتھ ٹکراتا نہ ہو، دنیوی علوم مسلمانوں کی معیشت کی ترقی کے لیے لازمی ہیں، قرآن پاک میں ہے: ''هُوَ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا ''(سورۃ ھود: ٦١) اسی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اسی زمین میں تمہیں بسایا۔ اور حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِشُؤُوْنِ دُنْيَاكُم ''یعنی تم اپنی دنیا کے معاملات کو زیادہ جاننے والے ہو۔

زمین کی تعمیر کے لیے اور انسانوں کو آباد کرنے کے لیے علم ہندسہ کی ضرورت ہوتی ہے، ایک مضبوط اور طاقت ور سماج کی بنیاد رکھنے کے لیے علم صناعت، علم زراعت اور علم اقتصاد وتجارت کی ضرورت پڑتی ہے۔ موجودہ دور میں مسلم قوم کو علوم شرعیہ کے ساتھ ساتھ ان تمام دوسرے علوم میں مہارت حاصل کرنی ہوگی جو دنیاوی ترقی کا ذریعہ ہیں جیسے کمپیوٹر سائنس ، میڈیکل ، انجینئرنگ ، میتھ میٹکس (Mathematics) ایگری کلچرل (Agricultural) اور انڈسٹریل سائنس (Industrial Science) وغیرہ۔ آج مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ ان تمام علوم وفنون کو سیکھیں جو اسلامی شریعت اور اسلامی قواعد کے مخالف نہ ہوں، چنانچہ جو صناعتِ اسلحہ کا فن اس مقصد سے سیکھے کہ وہ اس کے ذریعہ مسلمانوں اور اپنے وطن کا دفاع کرے گا تو وہ ماجور ہوگا اور اس شخص سے افضل ہوگا جس نے اس کو نہیں سیکھا۔ جس نے میڈیکل کی تعلیم حاصل کی اور مریضوں کی خدمت کر رہا ہے وہ اس شخص سے افضل ہوگا جس نے لوگوں کے لیے کچھ بھی نہیں کیا اور جسے کمپیوٹر اور انٹرنٹ پر عبور حاصل ہے اور وہ اس کا استعمال اسلام کے دفاع اور کلمۂ حق کو پورے عالم میں پہنچانے کی غرض سے کر رہا ہو تو وہ ان سے بہتر ہے جو اپنی فیملی اور اپنی اولاد سے ہٹ کر کچھ اور سوچنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

ہمارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی پیاری بات فرمائی: ''إِنَّ هٰذَا الخَيْرَ خَزَائِن ، وَلِتِلْكَ الخَزَائِنِ مَفَاتِيحُ ، فَطُوبٰى لِعَبْدٍ جَعَلَهُ اللّٰهُ مِفْتَاحاً لِلْخَيْرِ مِغْلاقاً لِلشَّرِّ ، وَوَيْلٌ لِعَبْدٍ جَعَلَهُ اللّٰه مِفْتَاحاً لِلشَّرِّ مِغْلاقاً لِلْخَيْرِ ''(ابن ماجه) بلاشبہ یہ خیر خزانے ہیں، تو خوش خبری ہے اس شخص کے لیے جس کو اللہ نے خیر کو کھولنے والا اور شر کو بند کرنے والا بنایا اور ہلاکت ہے اس شخص کے لیے جس کو اللہ نے شر کو کھولنے والا اور خیر کو بند کرنے والا بنایا۔

ایک ترقی یافتہ قوم تمام علوم کو ساتھ لے کر چلتی ہے ، اس قوم کے افراد اپنی اپنی پسند اور طبعی رجحان کے مطابق ایک تخصص (Specialization) کا انتخاب کرتے ہیں اور اس طرح پورا معاشرہ ایک مہذب، مثقف اور بے مثال معاشرہ بن جاتا ہے۔

ہمارے اسلاف نے علم کی قدر و قیمت کو پہچانا تھا، علم کے تمام میدانوں میں اپنا سکہ جمایا مساجد تعلیمی حلقوں سے پُر رہا کرتی تھیں مدارس وجامعات قائم کیے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ دس صدیوں تک اس دنیا کے اساتذہ تھے، مغربی دنیا نے ان سے علم حاصل کیا اور اپنی تہذیب وتمدن کی بنیاد رکھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''أَلا إِنَّ الدُّنْيَا مَلْعُونَةٌ ، مَلْعُونٌ مَا فِيهَا إِلا ذِكْرُ اللّٰهِ وَمَا وَالاهُ وَعَالِمٌ أَوْ مُتَعَلِّمٌ ''(سنن ترمذی) دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے وہ ملعون ہے، یعنی اللہ کی رحمت سے دور ہے مگر اللہ کا ذکر اور وہ چیزیں جو اللہ سے قریب کریں (یعنی نیک عمل) اور عالم اور متعلم (طالب علم)۔ اس کا اثر تمام اسلامی دنیا پر پڑا، چنانچہ علم ومعرفت کے مختلف میدانوں میں ایک وسیع پیمانہ پر اس طرح کی سرگرمیاں مشاہدے میں آئیں جن کی مثال تاریخ میں ملنی مشکل ہے، مسلمان علماء کے ذریعہ ایک تہذیب وتمدن کی بنیاد پڑی اور انسانیت کو شاندار علمی ذخیرہ میسر آیا۔

مسلمان اپنے تابناک ماضی کی عزت وشرف کو تبھی واپس پا سکتے ہیں جب اسلاف واکابرین کے نقش قدم پر چلیں، ہمارے اسلاف نے اسلام کو اپنی زندگیوں میں اپنایا اور شرف وعزت والے کہلائے ، دشمنانِ اسلام پوری طاقت کے ساتھ ان پر یلغار کرتے ، مگر منہ کی کھاتے انہوں نے اپنے مقصد کے حصول کے لیے علم کو وسیلہ بنایا اور افسوس کہ ہم نے علم کو چھوڑ کر اپنی تمام تر توجہ ان امور پر مرکوز کر دی جس کا نہ دنیا میں فائدہ اور نہ آخرت میں، مختصراً یہ کہ ماضی کی شرف وعزت کا حصول علم شرعی اور علوم دنیوی کے حصول پر ہی موقوف ہے۔

واللّٰه الموفق والمستعان محمد شعیب گورکھپوری قاسمی

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

قرآن و حدیث کی روشنی میں علماء کرام کا مقام و مرتبہ

محمد ارشد قاسمی

جامعہ سلمان بن عبد العزیز ، الخرج

الحمد اللّٰہ رب العالمین ، والصلاۃ والسلام علیٰ سید الأنبیاء والمرسلین ، وعلیٰ آلہ وأصحابہ أجمعین... اما بعد:

معزز سامعین وحضرات گرامی!

آج کی ہماری گفتگو کا عنوان ہے " قرآن وحدیث کی روشنی میں علماء کرام کا مقام ومرتبہ " قبل اس کے کہ اصل بات کی جائے یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ عالم یا علماء کن لوگوں سے عبارت ہے، وہ کون سا علم ہے جس سے وابستہ لوگوں کے لیے قرآن وحدیث میں فضیلت وارد ہوئی ہے؟

علم کی بہت ساری قسمیں ہیں اور ہر قسم کا علم رکھنے والے پر عالم یا علماء کا اطلاق ہوتا ہے۔علم ریاضی،طبیعیات،نباتیات،حیوانیات، کیمیا،فلکیات ،ارضیات نفسیات،طب وغیرہ وغیرہ۔ یہ سارے وہ علوم ہیں جن کے تعلیم وتعلم میں اپنی زندگیاں صرف کرنے والوں کو دنیا عالم کے لفظ سے یاد کرتی ہے۔

اوپر ذکر کئے گئے تمام علوم دنیوی علوم کہلاتے ہیں اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے مدون کیے گئے ہیں، قابل قدر ہیں وہ لوگ جنھوں نے بالقصد انسانیت کی خدمت کے لیے ان علوم کو سیکھا اور آگے بڑھایا۔ان علوم کے بالمقابل ایک علم دینی اور شرعی ہے، جس کا مدار اور محور اخروی راحت وسعادت ہے،تخلیق انسان کا مقصد اسی علم میں پنہاں ہے، کیونکہ خالق کائنات نے بنی آدم کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:''**وَمَاخَلَقْتُ الجِنَّ والإنْسَ إلا لِيَعْبُدُوْن** ''(سورۃ الذاریات:٥٦) میں نے جن وانس کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔عبادت نام ہے ہر اس قول وعمل کا جس سے اللہ راضی ہوجائے ۔اب اس قول وعمل کی صحیح طور پر ادائیگی اس لیے ضروری ہے تا کہ عنداللہ مقبول ہو سکے،اس کے لیے ہمیں شارع کی طرف سے دیے گئے احکام کا جاننا ضروری ہے، جو احکام امر ونہی یعنی کرنے اور نہ کرنے پر مشتمل ہیں جن کا تفصیلی علم انبیاء علیہم السلام یا ان کے وارثین کو ہوتا ہے۔

اب جو لوگ اس علم کو سیکھتے اور سکھاتے ہیں،اس کے حصول میں اپنی زندگی کا بیشتر حصہ صرف کرتے ہیں انہیں ہم عالم دین یا علماء اسلام کے نام سے جانتے اور پہچانتے ہیں اور یہی لوگ ہماری گفتگو کا موضوع ہیں۔ختم نبوت کے بعد اللہ کے احکام کو کھول کھول کر بیان کرنے کی ذمہ داری جن کندھوں پر آپڑی ہے وہ یہی علماء ہیں جن کا مشغلہ قرآن وحدیث،فقہ وتفسیر اور امت کو درپیش مسائل کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں پیش کرنا ہے۔

قرآن کریم اللہ کی کتاب ہے،اس لیے اللہ کو پہچاننے کے لیے اس سے بہترین ذریعہ اور کچھ نہیں ہوسکتا،مختلف انداز میں اور مختلف نشانیاں بیان کر کے قرآن اللہ کی ذات وصفات اور قدرت کاملہ کا تعارف کراتا ہے،لہٰذا اس کتاب کا جتنا زیادہ مطالعہ کیا جائے اتنی ہی اللہ کی معرفت حاصل ہوگی اور اللہ کی جتنی زیادہ معرفت حاصل ہوگی اتنا ہی بندہ اللہ سے ڈرے گا۔اس کتاب کا پڑھنا اور پڑھانا علماء کرام کا خاص مشغلہ ہے جس کی وجہ سے یہ اللہ کے بندوں میں اللہ سے سب سے زیادہ ڈرتے ہیں،خود اللہ تعالیٰ اس کی گواہی دیتا ہے:''**إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ**

الـعُـلَمَاءُ ''(سورۃ الفاطر: ۲۸) حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ نے کئی مقامات پر ان کو تحفۂ قدر و منزلت سے نوازا ہے بنی آدم میں ایک اعلیٰ مقام عطا فرمایا ہے، حتیٰ کہ اللہ نے جب اپنی شان وحدانیت (کلمہ توحید) کے لیے گواہ بنانا چاہا تو جہاں گواہی کے لیے اپنی ذات کا انتخاب فرمایا وہیں فرشتوں اور بنی نوع انساں میں سے صرف علماء کو گواہی کے لیے منتخب کیا جو یقیناً انتہائی شرف و فضل کی بات ہے ''شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهُ لا إِلٰهَ إِلاهُوَ وَالْمَلٰئِكَةُ وَأُولُوا العِلْمِ قَائِماً بِالقِسْطِ ، لاإِلٰهَ إِلا هُوَالعَزِيْزُ الْحَكِيْم ''(سورۃ آل عمران:۱۸) اللہ نے خود شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی اللہ نہیں، یہی شہادت فرشتوں اور سب اہل علم نے دی ہے، وہ انصاف پہ قائم ہے، اس زبردست حکیم کے سوا فی الواقع کوئی اللہ نہیں ہے۔

اللہ نے عالم اور غیر عالم کے درمیان برابری کو یکسر مسترد کر دیا ہے، سورۃ الزمر آیت ۹ میں اللہ ارشاد فرماتا ہے: ''قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالذِيْنَ لايَعْلَمُونَ ، إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوْا الألْبَاب ''اے نبی کہہ دیجیے کہ کیا جو علم رکھتے ہیں اور جو علم نہیں رکھتے دونوں برابر ہیں؟ بلاشک عقل و فہم والے ہی نصیحت پکڑتے ہیں، یعنی جن لوگوں کو اللہ کی معرفت حاصل ہے اور جو شرعی احکام سے اچھی طرح واقف ہیں وہ اور جن کو ان سب چیزوں کا علم نہیں دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں ہو سکتے۔ ایک جگہ فرماتا ہے کہ علماء ہی اصحاب عقل و دانش ہیں اور جو مثالیں قرآن کریم میں بیان کی جاتی ہیں ان کو یہی لوگ سمجھتے ہیں دیکھئے سورۃ العنکبوت آیت نمبر ۴۳ ''وَتِلْكَ الأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إلا العَالِمُون '' یہ مثالیں ہیں جسے ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں جس کو صرف علم والے ہی سمجھتے ہیں۔

علم والوں کا علم جیسے جیسے ترقی کرتا ہے خشیت الٰہی ویسے ویسے بڑھتی جاتی ہے، غیر اللہ کا خوف جاتا رہتا ہے، اللہ سے قربت و محبت میں اضافہ ہوتا ہے، فانی دنیا سے لگاؤ کم ہو جاتا ہے، اخروی شوق دنیوی خواہشات پہ غالب آتا ہے، نتیجتاً ان کے ایمان میں جلا پیدا ہوتا ہے جو کثرتِ عبادت و ریاضت کا سبب بنتا ہے جس کی وجہ سے اللہ ان کے درجات بلند فرماتا ہے، دیکھئے سورۃ المجادلۃ آیت ۱۱ ''يَرْفَعِ اللّٰهُ الذِيْنَ آمَنُوا مِنْكُم وَالذِينَ أُوتُوا العِلْمَ دَرَجَات ''جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور جن کو علم بخشا گیا اللہ ان کو بلند درجے عطا فرمائے گا۔

ان علمائے کرام کے مقام و مرتبہ کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے دین اسلام کو آپ ﷺ کے عہد سے سینہ بسینہ محفوظ کر کے ہم تک پہونچایا، جان و مال تک کی پرواہ نہیں کی، لذتِ عیش کو خیر باد کہا، راتوں کو بیداری میں گذارا، سفر کی مشقتوں کو برداشت کیا تا کہ خاتم الرسل محمد مصطفیٰ ﷺ کی بات صحیح سالم ہم تک پہونچ سکے۔ آج بھی علمائے کرام اسی تگ و دو میں لگے ہوئے ہیں کہ دین اسلام کا جو درخت آپ ﷺ چھوڑ کر گئے ہیں وہ تر و تازہ باقی رہے۔ نبی اکرم ﷺ ایسے لوگوں کے لیے دعائیں فرما گئے ہیں چنانچہ فرمایا: ''نَضَّرَ اللّٰهُ اِمْرءاً سَمِعَ مِنَّا حَدِيثاً فَحَفِظَه حَتى يُبَلِّغَه غَيْرَه ''(سنن ترمذی) اللہ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جس نے میری کوئی بات سنی اور محفوظ کر لی پھر اس کو دوسروں تک پہونچا دیا۔

علمائے کرام کی خاصیت یہ ہے کہ وہ دین اسلام پر استقامت کے ساتھ عمل پیرا ہوتے ہیں، حق بات کہنے میں تأمل سے کام نہیں لیتے، شرعی مسائل کی وضاحت میں کسی ملامت کو خاطر میں نہیں لاتے، قرآنی آیات اور اقوال رسول ﷺ کو باطل کی ملمع سازی، جاہل کی بیجا تاویل اور غلو پسند حضرات کی تحریف سے بچاتے ہیں، ان کی ان حرکتوں کو بلا خوف و خطر لوگوں کے سامنے لا کر ان کے ناپاک عزائم کا قلع قمع کرتے ہیں۔

ان کی صفات میں تواضع، انکساری، عوام الناس سے محبت اور ان کی دنیوی و اخروی خیر خواہی ہے، عوام الناس کو خیر کی طرف بار بار دعوت اور لوگوں کی طرف سے اس سلسلے میں بیجا اور انتہائی غیر مناسب تنقید ان کے حلیم و بردبار ہونے کی بین نشانی ہے، یہ لوگ اللہ کے ان بندوں میں سے

ہیں جو زمین پر انتہائی نرمی سے چلتے ہیں، علم نہ رکھنے والوں سے الجھتے نہیں ہیں، رات قیام وسجود میں گذارتے اور دن درس تدریس میں صرف کرتے ہیں، فضول خرچی اور بخل دونوں سے الگ ہوکر درمیانی راستہ اختیار کرتے ہیں، ناحق کسی کا قتل نہیں کرتے ہیں، انہیں صرف اخروی غم لاحق ہوتا ہے، جہنم کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور اللہ سے پناہ مانگتے ہیں، اللہ نے ان کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا تو انہیں علماء وفقہا بنا دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِه خَيراً يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ ''اللہ جس کے ساتھ خیر کا معاملہ فرماتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

اللہ تعالیٰ کی نظر میں سب سے بہتریں گفتگو وہ ہوتی ہے جو دین ودعوت پر مبنی ہو۔ علماء کرام کی پوری زندگی دین ودعوت کے اردگرد گھومتی ہے، امامت وخطابت، دعوت وتبلیغ، تعلیم وتدریس، پند ونصیحت، وعظ وترغیب سب کا مقصد اللہ کے بندوں کو اللہ سے قریب کرنا ہے، لہٰذا ان کی بات سب سے قیمتی اور عنداللہ محبوب ہوتی ہے، سورۃ فصلت آیت ۳۳ میں اللہ فرماتا ہے: ''وَمَنْ أَحْسَنُ قَولاً مِمَّنْ دَعَا إِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِيْن ''اس شخص سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

ہم سب پر لازم ہے کہ علماء کرام کا احترام کریں، انھیں ان کا مقام دیں، ان پر طعن وتشنیع نہ کریں، ان کی عزت سے نہ کھیلیں، اگر کوئی غلطی سرزد ہو تو ان کے لیے ہدایت کی دعا کریں۔ حضرت عبادۃ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لَيسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يُجِلَّ كَبِيْرَنَا وَلَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يَعْرِف لِعَالِمِنَا حَقَّه ''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو بڑوں کو بڑا نہ سمجھے، چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور عالموں کے حق کو نہ پہچانے۔ اس حدیث کو حافظ منذری رحمۃ اللہ علیہ نے الترغیب والترہیب میں اور شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح الجامع میں نقل کیا ہے۔

علمائے کرام شعائر اسلام میں ایک شعار کی حیثیت رکھتے ہیں، لہٰذا ان کا احترام اسلام کا احترام ہے، ان کی تعظیم تقویٰ کی علامت ہے ''وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوب'' (سورۃ الحج: ۳۲) اور جو اللہ کے مقرر کردہ شعائر کا احترام کرے یہ اس کے دل کی پرہیزگاری کی وجہ سے ہے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب ''العقیدۃ الطحاویۃ'' اسلامی عقائد پر ایک اہم کتاب مانی جاتی ہے اور صرف برصغیر ہی نہیں بلکہ عرب ممالک کی بہت ساری یونیورسٹیوں میں داخل نصاب ہے، اس کتاب کی شرح میں علامہ بن ابی العز الحنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اللہ اور رسول سے محبت والفت کے بعد تمام مسلمانوں سے محبت والفت رکھے جیسا کہ قرآن کریم نے اس کی صراحت کی ہے، خاص طور پر ان لوگوں سے جو انبیاء کے وارث ہیں جنہیں اللہ نے ستاروں کے مانند بنایا ہے جن سے بر وبحر کی تاریکیوں میں رہنمائی حاصل کی جاتی ہے، تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ وہی اہل رشد وہدایت ہیں اور وہی امت میں نائبین رسول کی حیثیت رکھتے ہیں اور وہی لوگ دم توڑتی سنتوں کو زندہ کرتے ہیں۔'' (شرح العقیدۃ الطحاویۃ)

علماء کرام کی صحبت، ان سے تعلق خاطر ہماری دینی ودنیاوی زندگی کے لیے مفید ہے، ان کی معیت سے علم زیادہ ہوتا ہے، آداب واخلاق سیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ آدمی کے سمجھدار ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ اس کا چلنا پھرنا، آنا جانا اہل علم کے ساتھ ہو۔ امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے ان کا قول نقل کرتے ہیں کہ امام صاحب کہتے تھے: ''علماء کی باتیں سننا اور ان کے ساتھ بیٹھنا میرے لیے بہت سارے فقہی مسائل سے زیادہ محبوب ہے، کیوں کہ یہ لوگ آداب واخلاق کے پیکر ہیں۔'' (جامع بیان العلم

واہلہ) حضرت ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں کہ ہم حضرت مسروقؒ کے پاس آتے اوران سے رشد وہدایت کی باتیں سنتے تھے۔(جامع بیان العلم واہلہ) ان علمائے کرام کے پاس نبوت کا نور ہے جو چاہے اس سے فائدہ اٹھائے ، اگر یہ نور منقطع ہوگیا تو لوگ بدعت وخرافات اور فسق و فجور کی تاریکیوں میں گر پڑیں گے۔ حافظ بن رجب حنبلیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی رہ نورد علم ہے تو اس کی سلامتی اسی میں ہے کہ وہ کسی ایسے اہل علم کو پکڑ لے جس کی ہدایت ودرایت متفق علیہ ہو جیسے امام شافعی، امام احمد، اسحاق اور ابوعبید یا اس طرح کے دوسرے وگ۔ جو شخص ان کے طریقوں سے الگ جائے گا وہ ہلاکت میں پڑ جائے گا اس طور پر کہ جو نہیں کرنا ہے وہ کرے گا اور جس کا کرنا ضروری ہے وہ ترک کردے گا۔(جامع العلوم والحکم)

اب ہم صحابہ وتابعین کے کچھ حالات ذکر کرتے ہیں جس سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ لوگ علم والوں کو کتنی فوقیت دیتے تھے اور ان کا کتنا احترام کرتے تھے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی جب مکہ مکرمہ تشریف لے جاتے ہیں تو لوگ مسائل کے لیے ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ،فرماتے ہیں کہ اے مکہ والو تم مسائل مجھ سے پوچھتے ہو جب کہ تم میں بن ابی رباح موجود ہیں یعنی عطا بن ابی رباح۔ حضرت عطاء بن ابی رباحؒ کا شمار مشائخ تابعین میں ہوتا ہے، مکہ میں منصبِ افتاء پر فائز تھے۔ دیکھئے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک عالم کے لیے اتنا احترام کہ اس کے دیار میں مسائل بتلانے سے گریز کررہے ہیں جب کہ خود صحابیٔ رسول ہیں اور علم میں بڑے بڑے صحابہ کے ہم پلہ ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبل کے لخت جگر نے ایک بار سوال کیا کہ اے ابا جان! یہ شافعی کون شخص ہے؟ میں دیکھتا ہوں کہ آپ اس کے لیے بہت دعائیں کرتے ہیں، فرمانے لگے: اے میرے بیٹے! شافعی دنیا کے لیے سورج اور لوگوں کے لیے عافیت ہیں، یعنی نورِ علم سے دنیا کو روشن کرتے ہیں اور جہالت جیسے مرض کی دوا دیتے ہیں۔ یہی وہ امام احمد بن حنبل ہیں جنھوں نے علی بن المدینی کے علم کی وجہ سے انھیں کبھی نام سے نہیں پکارا ، ہمیشہ کنیت سے پکارتے تھے۔ حضرت ابراہیم نخعی بلند پایہ عالم اور محدث بھی ہیں ، جب حضرت شعبی کے ساتھ اکٹھا ہوتے تو ان کی عمر کا لحاظ کرتے ہوئے زبان نہیں کھولتے تھے۔

آج ہمارے اس زمانے میں علمائے کرام کا احترام مفقود ہے، ہر شخص جب چاہتا ہے جس کو چاہتا ہے کلماتِ لعن وطعن سے نواز دیتا ہے، جب کہ یہ بات ہر وقت مستحضر رہنی چاہیے کہ وہ بھی ہماری طرح انسان ہیں اور بشریت کے تقاضے ان سے بھی منسلک ہیں، غلطی ہر بنی آدم سے ہوتی ہے، اس بات کی تائید صحیح حدیث سے ہوتی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''کُلُّ بَنِی آدمَ خَطَّاء ، وَخَیْرُ الْخَطَّائِیْنَ التَّوَّابُون '' ہر انسان غلطی کرتا ہے اور بہترین غلطی کرنے والا وہ ہے جو توبہ کرے۔ اس حدیث کو امام حاکمؒ نے صحیح قرار دیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ توبہ واستغفار اور انابت الی اللہ علمائے کرام کا شیوہ ہے، نالہ نیم شبی اور آہِ سحر گاہی تو شۂ زندگی ہے، اس لیے وہ حدیث کی رو سے بہترین لوگ ہیں۔

اب ہم یہاں ان امور کا جائزہ لیتے ہیں جن کی وجہ سے علماء کرام کی شان میں کوتاہیاں اور ان کے حقوق میں کمیاں واقع ہورہی ہیں۔

(۱) سب سے پہلی اور بڑی وجہ شرعی علوم کی حقیقت واہمیت اور اس کے حاملین کے مقام ومرتبہ سے ناواقفیت ہے، جب کہ کائنات کے خالق نے اس علم کا سیکھنا فرض قرار دیا ہے اور علماء کو انبیاء ورسل کا وارث بنایا ہے۔

(۲) دوسری وجہ نام نہاد دانشمندوں کا بلاواسطہ کتابوں کو استاذ بنالینا ہے اور علماء کی طرف مراجعت کو یکسر نظر انداز کرنا ہے، جب کہ قرآن وحدیث میں وارد احکام کو سمجھنے کے لیے عقل ودانش کے علاوہ ان علماء وفقہاء کی ضرورت ہے جنھوں نے قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لیے وہ سارے علوم

حاصل کئے ہیں جن کا جاننا ضروری ہے، مثلاً نحو وصرف، لغت، بلاغت، اصول تفسیر، اصول حدیث، اصول فقہ، سیرت، تاریخ، علم اسناد حدیث اور اسماء الرجال وغیرہ، اسی وجہ سے امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جو شخص کتابوں کی ورق گردانی سے علم حاصل کرے گا وہ اللہ کے دئے گئے احکامات کو ضائع کردے گا۔ (آداب العلماء والمتعلمین)

(۳) تیسری وجہ تحصیل علم شرعی کی ایک خاص حد تک پہونچنے سے پہلے حاملین علم شرعی کا فتوے اور دینی مسائل کی دنیا میں آجانا ہے جب کہ وہ خود ابھی ''**فَاسْئَلوا أَهلَ الذِّكْرِ إن كُنْتُمْ لا تَعْلَمُون**''(سورة الأنبياء: ۷) کے مخاطب ہیں اور ابوداود وابن ماجہ کی حدیث ''**إنَّمَا شِفَاءُ العَی السُؤال**'' ان کے لیے بھی وارد ہوئی ہے۔

(۴) چوتھی وجہ حقیقی عالم کے وجود کی قلت ہے اور یہ پورے عالم کے لیے لمحۂ فکریہ ہے، کیوں کہ حدیث میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اس دنیا سے علم اٹھانا چاہیں گے تو یکا یک نہیں اٹھائیں گے بلکہ دھیرے دھیرے علمائے کرام کو اٹھائیں گے جس کی وجہ سے علم خود بخود اٹھ جائے گا، نوبت یہاں تک پہونچے گی کہ کوئی عالم باقی نہیں رہے گا اور معاملہ جاہلوں کے ہاتھ میں آجائے گا، ان سے دینی مسائل پوچھے جائیں گے اور وہ اپنی رائے سے مسائل بتائیں گے، نتیجتاً خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

(۵) پانچویں وجہ دشمنانِ اسلام کا مختلف وسائل وذرائع سے علماء کرام کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا ہے تاکہ شرعی علوم کے سوتے خشک ہوجائیں، عوام وخواص کا ان سے رابطہ کم ہوجائے اور دین اسلام بجائے پھلنے پھولنے اور پھیلنے کے موسم خزاں کا شکار ہوجائے۔

آیئے عہد کریں کہ طاغوتی طاقتوں اور ان سے متاثرہ نام نہاد اہل فکر ودانش کی علماء مخالف تحریروں اور بیانات کو یکسر نظر انداز کرکے اللہ اور رسول کے متعین کردہ مقام ومرتبہ کو علمائے کرام کے سر کا تاج بنائیں گے اور اللہ اور رسول سے محبت والفت کے ساتھ عمومی طور پر تمام مسلمانوں سے اور خصوصی طور پر علمائے کرام سے محبت والفت رکھیں گے، واللہ الموفق۔

اللّٰهم انصر من نصر دين محمد صلى الله عليه وسلم واجعلنا منهم ، واخذل من خذل دين محمد صلى الله عليه وسلم ولاتجعلنا منهم وصلى الله على سيدنا ومولانا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين

محمد ارشد قاسمی

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلي علی رسولہ الکریم أما بعد

برصغیر کے علماء کی قرآن وحدیث کی خدمات

جاوید اختر قاسمی

برصغیر کا تاریخی جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ علاقہ زمانۂ قدیم سے ہی مختلف علوم وفنون کا گہوارہ رہا ہے، یہاں کے اہل علم حضرات نے الگ الگ دور میں ان علوم وفنون کو پروان چڑھایا اور حکمت وفلسفہ، فنونِ لطیفہ، تاریخ وسیاست، نجوم وفلکیات اور طب وریاضیات میں ایسے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے جو آج بھی لوگوں کے لیے مشعل راہ بنے ہوئے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جب یہ خطہ مذہبِ اسلام کی روشنی سے معمور ہوا اور یہاں کے باشندوں نے اسلام کو اپنانا شروع کیا تو انہیں میں ایسے لوگ بھی پیدا ہوئے جنہوں نے علوم اسلامیہ کو حاصل کرنے کے لیے اپنی زندگی وقف کردی، نتیجے کے طور پر یہاں بھی علوم اسلامیہ کے ایسے ماہرین علماء پیدا ہوئے جنہوں نے ایک طرف دعوت وتبلیغ کے ذریعہ عوام کو اسلام کی صحیح تعلیمات سے روشناس کرایا تو دوسری طرف قرآن وحدیث کی تعلیم وتدریس اور تصنیف وتالیف کو اپنا مقصد بنایا۔ برصغیر میں قرآن وحدیث کی تفسیر وتشریح کی کتابیں ان حضرات کی علمی خدمات کا بین ثبوت ہیں۔

آج کی ورکشاپ میں میرے مقالہ کا موضوع ''برصغیر کے علماء کی قرآن وحدیث کی خدمات'' ہے، اس موضوع پر روشنی ڈالنے سے قبل یہ وضاحت ضروری ہے کہ قرآن وحدیث کے تئیں علمائے ہند کی خدمات کا موضوع اس قدر وسیع ہے کہ اس کو احاطہ میں لانے کے لیے دس منٹ کا مقالہ ناکافی ہے، یہ موضوع ایک بحر بے کراں ہے جس کے لیے سفینہ درکار ہے، لہٰذا اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے چند اہم علمائے حدیث ومفسرین اور ان کی خدمات کا تذکرہ پیش خدمت ہے۔

برصغیر میں قرآن مجید کی خدمت کی سعادت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے خاندان کے حصہ میں آئی۔ ان کے والد حضرت شاہ عبدالرحیمؒ قرآن مجید کا درس دیا کرتے تھے، خود حضرت شاہ ولی اللہؒ، ان کے بڑے صاحب زادے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور ان کے سب سے چھوٹے صاحب زادے حضرت شاہ عبدالقادرؒ بھی قرآن کے درس وتدریس کے فرآئض انجام دیتے تھے۔ اس کے علاوہ عوامی سطح پر شاہ عبدالعزیزؒ کا درسِ قرآن ہفتہ میں دو دن ہوا کرتا تھا جس میں محدود اہل علم کے بجائے مغل حکمرانوں کے اہل خانہ، شہزادے اور اعلیٰ حکام سمیت عوام کی ایک بڑی تعداد شریک ہوتی تھی۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ''فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن'' کے نام سے قرآن مجید کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا، یہ ترجمہ قواعد اور اصول تفسیر کے لحاظ سے فارسی زبان کا معیاری ترجمہ ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بعد ان کے دوسرے صاحب زادے حضرت شاہ رفیع الدینؒ نے پہلی بار قرآن مجید کا اردو میں ترجمہ کیا، یہ لفظی ترجمہ ہے، یعنی قرآن مجید کے ہر عربی لفظ کے نیچے اردو میں ترجمہ لکھ دیا گیا ہے اور اردو زبان کے اسلوب کی رعایت نہیں برتی گئی ہے۔ اس کے بعد حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے قرآن مجید کا بامحاورہ اور سلیس اردو زبان میں ترجمہ کیا، یہ ترجمہ فنی اعتبار سے اردو کا بہترین اور معیاری ترجمہ ہے اور اس میں شاہ عبدالقادرؒ کی خاندانی قرآن فہمی کی سو سالہ روایت اور خود ان کا پچاس سالہ ذاتی مطالعہ اور درس وتدریس کا نچوڑ شامل ہے۔ شاہ عبدالقادرؒ کا ترجمہ اگرچہ پرانے اسلوب میں ہے، تاہم اردو زبان کا معیاری ترجمہ ہے اور بعد کے تمام اردو تراجم کے لیے مشعل راہ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ اوران کے خاندان کے مساعی جمیلہ کے بعد بہت سے تراجم معرض وجود میں آئے۔انہی میں ایک ترجمہ مولانا محمود حسن دیوبندی کا ہے جو''ترجمہ شیخ الہند'' کے نام سے مشہور ہے۔شیخ الہند نے محسوس کیا کہ ان کے زمانے میں اردو کے بہت سے محاورات بدل چکے ہیں جو بعض مقامات پر شاہ عبدالقادرؒ کے تراجم سے میل نہیں کھاتے، چنانچہ انہوں شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمہ کو سامنے رکھ ایک نیا ترجمہ قرآن تحریر کیا جس میں حسبِ ضرورت ترمیم کی۔اب یہ ترجمہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے تفسیری فوائد کے ساتھ''تفسیر عثمانی'' کے نام سے ہندو پاک کے بہت سے مکتبوں میں دستیاب ہے، نیز''تفسیر عثمانی'' کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

شیخ الہندؒ کے بعد ایک نام مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ہے جو''حکیم الامت'' کے لقب سے مشہور ہیں، ترجمہ وتفسیر کے میدان میں حکیم الامت کا سب سے بڑا کارنامہ''بیان القرآن'' ہے، بیان القرآن کا انداز یہ ہے کہ متن قرآن کا ترجمہ کرتے وقت ترجمہ کے درمیان وضاحتی جملے بھی تحریر ہیں، ترجمہ اور وضاحتی جملوں کو ایک دوسرے سے ممتاز کرنے کے لیے ترجمہ کے اوپر خط کھینچ دیا گیا ہے اور وضاحتی جملوں کو بریکٹ میں رکھا گیا ہے اور اس کے بعد تفسیر، فقہ، کلام، تصوف، نحو اور ادب وبلاغت کے اہم علمی اور دقیق مباحث پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

بیان القرآن کا اسلوب خالص علمی ہے، اس لیے اس سے صرف اہل علم حضرات ہی استفادہ کر سکتے ہیں، اس بات کا احساس خود مولانا تھانوی کو بھی تھا، اس لیے انہوں نے اپنے ہونہار شاگرد علامہ ظفر احمد عثمانیؒ کو اس کی تسہیل وتلخیص کا حکم دیا، تاکہ عام لوگ بھی اس سے استفادہ کر سکیں چنانچہ یہ تفسیر اب ہندو پاک کے اشاعتی اداروں سے''تسہیل مکمل تفسیر بیان القرآن'' کے نام سے شائع ہو رہی ہے۔

بیسویں صدی میں''ترجمان القرآن'' کے نام سے ایک تفسیر معرض وجود میں آئی جس کے مؤلف مولانا ابوالکلام آزاد ہیں۔مولانا آزاد نے پہلے ''البیان'' کے تحت سورۂ فاتحہ کی تفسیر لکھی جو نہایت مبسوط، مدلل اور جامع تفسیر ہے۔اسی کے ساتھ انہوں نے ترجمان القرآن پر کام شروع کیا۔ ترجمان القرآن کی جلد اول کا اسلوب یہ ہے کہ پہلے ترجمہ میں زیادہ سے زیادہ وضاحت کی کوشش کی گئی ہے پھر ضرورت کے تحت جا بجا نوٹ بڑھا دیے گئے ہیں اور زیادہ بحث وتفصیل سے گریز کیا گیا ہے۔ترجمان القرآن کی تالیف کے دوران مولانا آزاد کی سیاسی سرگرمیاں تیز ہو گئیں اور ان کو البیان کا کام روکنا پڑا اور ترجمان القرآن ہی میں بعض مقامات پر البیان کی کمی کو دور کرنے کی کوشش کی، نتیجتاً ترجمان القرآن کی دوسری جلد کا اسلوب پہلی جلد سے بالکل مختلف ہو گیا۔اصول تفسیر میں مولانا آزاد نے اسلاف کی پیروی کی اور بہت کم ایسی رائے قائم کی ہے جو اسلاف کی رائے کے خلاف ہو۔مولانا آزاد کی یہ تفسیر سورۃ المومنون تک ہے۔

قرآن مجید کی تفاسیر میں ایک اہم نام''معارف القرآن'' کا بھی ہے، اس کی تالیف مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے کی ہے، تقریباً سات ہزار صفحات پر مشتمل اس تفسیر کو مفتی صاحب نے پانچ سال کے عرصہ میں مکمل کیا۔معارف القرآن کی تالیف میں جن امور کا لحاظ رکھا گیا ہے وہ حسبِ ذیل ہیں: معارف القرآن میں مفتی شفیعؒ نے اپنے طور پر کوئی ترجمہ نہیں کیا ہے، بلکہ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کا ترجمہ بعینہ نقل کر دیا ہے۔پھر خلاصۂ تفسیر کے تحت مفتی شفیعؒ نے مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلاصۂ تفسیر کو ذکر کیا ہے، البتہ جن مقامات پر قدرے مشکل اور خالص اصطلاحی الفاظ آئے ہیں ان کو آسان لفظوں میں منتقل کر دیا ہے۔اس کے بعد معارف ومسائل کے عنوان سے قرآنی آیات کے معانی ومطالب کو واضح کیا ہے، قرآن کی آیات سے مستنبط ہونے والے فقہی مسائل کو بھی تحریر کیا ہے اور بعض مقامات پر الفاظ کی لغوی تحقیق، نحوی ترکیب اور دیگر علمی بحثوں کو بھی مختصراً ذکر کیا ہے۔الحمدللہ معارف القرآن کا انگریزی زبان میں ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

تفسیر کی کتابوں میں ایک مشہور نام''تفہیم القرآن'' کا بھی ہے، اس کو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے تحریر کیا ہے۔مولانا مودودیؒ نے بھی اپنی

تفسیر میں اسلاف کی پیروی کی ہے، تاہم بعض مقامات پر جمہور مفسرین کے موقف سے اختلاف بھی کیا ہے۔ تفہیم القرآن کی ایک انفرادی خصوصیت اس کا ترجمہ ہے، مولانا مودودیؒ نے قرآن کے الفاظ کا ترجمہ کرنے کے بجائے اس کے مفہوم کو اردو زبان میں منتقل کیا ہے۔

اسی طرح مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے ''تدبر قرآن'' کے نام سے ایک تفسیر لکھی ہے جس کی پہلی جلد ۱۹۶۶ء میں شائع ہوئی اس تفسیر کی تکمیل میں مولانا کو بائیس سال لگ گئے۔ ابتداءً یہ آٹھ جلدوں میں تھی اور اب نو جلدوں میں چھپ رہی ہے۔

قرآن مجید کی خدمت کرنے والوں میں ایک نام مولانا محمد جونا گڑھی کا بھی ہے، انہوں نے ''احسن البیان'' کے نام سے قرآن کا ترجمہ کیا اور اس پر تفسیری حاشیے کا کام مولانا صلاح الدین یوسف نے انجام دیا۔ اس کے علاوہ مولانا جونا گڑھی نے عربی تفسیر کی معروف و مشہور کتاب ''تفسیر ابن کثیر'' کا بھی اردو زبان میں ترجمہ کیا۔

مولانا احمد رضا خان بریلوی نے ''کنز الایمان'' کے نام سے قرآن کا ترجمہ لکھا ہے جس پر تفسیری افادات مولانا نعیم احمد مرادآبادی کے ہیں، ترجمہ کا اسلوب سادہ اور عام فہم ہے، تاہم کئی مقامات پر ان کے ترجمہ پر علماء کی ایک جماعت نے تنقید کی ہے۔

سرسید احمد خان نے بھی قرآن کریم کی تفسیر کی ہے، مگر بعض مقامات پر انہوں نے اسلاف کے خلاف رائے قائم کی ہے۔

عصر حاضر کی ایک عظیم علمی شخصیت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے ''آسان ترجمہ قرآن'' کے نام سے قرآن کریم کا ترجمہ کیا ہے جو کافی مقبول ہے۔

مذکورہ تراجم و تفاسیر کے علاوہ اردو زبان میں ترجمہ و تفسیر کی اور بھی بہت سی کتابیں موجود ہیں جن کی اہمیت و افادیت سے انکار کی گنجائش نہیں تاہم محدود وقت میں ان پر روشنی ڈالنا ممکن نہیں، اس لیے اتنے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید کی طرح حدیث شریف کی خدمت کے تعلق سے بھی برصغیر کو امتیازی مقام حاصل ہے، یہاں کے علماء نے حدیث کے میدان میں اتنے وسیع پیمانے پر اور اس قدر جامعیت کے ساتھ کام کیا ہے کہ اس کے اثرات عرب دنیا میں بھی محسوس کیے گئے۔

حدیث شریف کے تئیں علماء کی خدمات کا مطالعہ کرنے سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ سترہویں صدی عیسوی تک علم حدیث پر علماء نے جو کام کیا ہے وہ زیادہ تر جمع احادیث پر مشتمل ہے اور حدیث پر باقاعدہ کوئی تصنیف عمل میں نہیں آئی۔ البتہ سترھویں صدی عیسوی سے علم حدیث پر ایک نئے انداز سے اور ایک نئے جوش و جذبہ کے ساتھ کام کا آغاز ہوا اور وقت کے ساتھ اس میں وسعت پیدا ہوتی گئی۔ اس دور میں علم حدیث پر جو کام ہوئے ہیں ان کو تین زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(۱) درسی حلقے: پہلا زمرہ حدیث کی تعلیم دینے اور علم حدیث سے روشناس کرانے کے لیے درسی حلقوں کا ہے، اس زمرے میں تین شخصیات کو نمایاں مقام حاصل ہے: شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ۔ ان تینوں حضرات کی مشترکہ اور نمایاں خدمت یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے اپنے وقت میں درس حدیث کے حلقے قائم کیے، ماہرین حدیث کی جماعت تیار کی اور ان کو ہندو پاک کے مختلف گوشوں میں روانہ کیا جہاں انہوں نے اپنے استاذ کے طرز پر علم حدیث کے درسی حلقے قائم کیے، اس طرح ایک چراغ سے کئی چراغ جلتے گئے اور علم حدیث کی روشنی ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک پھیلتی گئی۔ آج برصغیر میں علم حدیث کی جتنی بھی درس گاہیں ہیں سب مذکورہ تینوں حضرات کے قائم کردہ درسی حلقوں کا امتداد ہیں، علم حدیث کے ان حلقوں اور درس گاہوں کی افادیت اس قدر وسیع اور جامع ہے کہ اس سے استفادہ کرنے والوں میں ایک ادنیٰ طالب علم سے لے کر مسند درس پر بیٹھ کر علم حدیث کے معانی و مطالب بیان کر کے طلبہ کو حدیث کے علمی نکات سے روشناس کرانے والے شیخ الحدیث اور معلمین، عوام کے سامنے حدیث کے ذریعہ وعظ و اصلاح کا کام کرنے والے علماء اور واعظین، حدیث کی

کتابوں کو اردو زبان میں ڈھالنے والے مترجمین، مختلف انداز میں اس کی تشریح قلم بند کرنے والے شارحین و مصنفین اور نئے نئے طریقوں سے اس پر غور و فکر کرنے والے محققین وغیرہ سب ہی شامل ہیں اور علم حدیث کے فیض یافتگان کا کوئی بھی طبقہ اس سے مستغنی نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ ان حلقوں اور درس گاہوں کو حدیث کی خدمات کے سلسلہ میں کلیدی اہمیت حاصل ہے، اس کے تذکرہ کے بغیر علم حدیث کی تاریخ نامکمل ہے۔

(۲) ترجمہ وتشریح: دوسرا زمرہ ترجمہ وتشریح اور تصنیف وتالیف کا ہے، اس زمرے میں سب سے اہم نام شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا ہے انہوں نے حدیث کی مشہور و معروف کتاب ''مشکوٰۃ المصابیح'' کو برصغیر میں متعارف کرایا اور فارسی میں ''اشعۃ اللمعات فی شرح المشکوٰۃ'' کے نام سے جب کہ اردو میں ''لمعات التنقیح'' کے نام سے اس کی شرحیں بھی لکھیں۔ اول الذکر نسبتاً مختصر ہے اور عام تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے لکھی گئی ہے اور دوسری شرح علمائے حدیث اور متخصصین کے لیے ہے۔

اس زمرے میں دوسرا نام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا ہے، شاہ صاحب نے ''موطا امام مالک'' کی دو شرحیں لکھیں، ایک فارسی میں ہے جس کا نام ''المصفیٰ'' ہے اور دوسری عربی میں ہے جس کا نام ''المسویٰ'' ہے۔ المسویٰ حدیث کے طلبہ و ماہرین کے لیے ہے اور المصفیٰ عام تعلیم یافتہ مسلمانوں کے لیے ہے۔

برصغیر میں حدیث کی خدمت کرنے والوں میں ایک نمایاں نام علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ کا ہے، ان کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ''غایۃ المقصود'' کے نام سے سنن ابوداؤد کی شرح لکھی جو تیس جلدوں میں تھی، جب اس کی پہلی جلد چھپ کر آئی تو لوگوں نے کہا کہ اتنی طویل شرح کون پڑھے گا، مولانا نے اپنے چھوٹے بھائی اور دو شاگردوں کو اس کی تلخیص کے کام پر لگا دیا، یہ تلخیص ''عون المعبود'' کے نام سے ہے جو سنن ابوداؤد کی بہترین شرحوں میں سے ایک ہے۔

علامہ محمد عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ نے ''تحفۃ الاحوذی'' کے نام سے سنن ترمذی کی شرح لکھی ہے جس کے بارے میں بلاتردد یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب جامع ترمذی کی چند عمدہ شرحوں میں سے ایک ہے۔

مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ کا شمار مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے چنندہ شاگردوں میں ہوتا ہے، انہوں نے ''بذل المجہود'' کے نام سے سنن ابوداؤد کی عربی زبان میں شرح لکھی ہے جس کی تصحیح وتعلیق کا کام مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے انجام دیا۔ یہ کتاب پندرہ جلدوں میں ہندو پاک سمیت مصر اور عرب ممالک سے کئی بار چھپ چکی ہے۔ ''بذل المجہود'' کا شمار بھی سنن ابوداؤد کی بہترین شرحوں میں ہوتا ہے۔

برصغیر میں علم حدیث کی ایک عظیم شخصیت مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی ہے، علم حدیث کے تئیں ان کی خدمات اس قدر ہیں کہ ہندو پاک سمیت عرب دنیا بھی ان کے علم وفضل کا اعتراف کرتی ہے۔ علم حدیث میں مولانا زکریاؒ کی سب سے معروف کتاب ''اوجز المسالک'' ہے جو حدیث میں انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھنے والی کتاب ''مؤطا امام مالک'' کی عربی زبان میں مبسوط اور جامع شرح ہے۔ مولانا زکریاؒ نے مدینہ منورہ میں قیام کے دوران جب اس کتاب کو لکھنا شروع کیا تو اس وقت ان کی عمر محض انتیس (۲۹) سال تھی۔ علمی حلقوں میں اس کتاب کی قدر و منزلت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ مالکی علماء نے اس کتاب کو درس وتدریس میں شامل کر رکھا ہے۔

مولانا زکریاؒ کی عربی زبان میں اہم تصنیف ''الابواب والتراجم'' ہے، علم حدیث میں صحیح بخاری کے ابواب ایک مستقل علم کی حیثیت رکھتے ہیں مولانا زکریاؒ نے اس کتاب میں صحیح بخاری کے ابواب کے متعلق کبار محدثین کی تحقیقات کو ذکر کیا ہے، اس کے بعد اپنی رائے تحریر کی ہے۔

مولانا زکریاؒ کے والد شیخ محمد یحییٰ نے اپنے استاذ محترم شیخ رشید احمد گنگوہیؒ کے درس بخاری کو اردو میں قلم بند کیا تھا، مولانا زکریاؒ نے اس درسی تقریر کا

عربی زبان میں ترجمہ کیا اور اپنی تعلیقات وحواشی اور ایک اہم مقدمہ کے ساتھ ''لامع الدراری علی جامع صحیح البخاری'' کے نام سے دس (۱۰) جلدوں میں شائع کیا۔

علم حدیث کی خدمت کرنے والوں میں ایک اہم شخصیت علامہ سید انور شاہ کشمیری کی ہے، ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ علمائے دیوبند میں ان سے بڑا محدث پیدا نہیں ہوا۔ علامہ کشمیری کے درس حدیث کی اپنی یادداشتیں ''فیض الباری'' کے نام سے قاہرہ سے شائع ہوئی ہیں جو ان کے شاگرد مولانا بدر عالم میرٹھیؒ نے مرتب کی ہے۔ اسی طرح جامع ترمذی پر علامہ کشمیری کے نوٹس کو ان کے شاگرد مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے مرتب کیا ہے جو ''معارف السنن'' کے نام سے شائع ہوئے۔ اس کے علاوہ علامہ کشمیریؒ کے داماد اور شاگرد مولانا احمد رضا بجنوری نے اپنے شیخ کے درسی تقریروں کو اٹھارہ جلدوں میں مرتب کیا ہے۔

صحیح مسلم کی شرح ''فتح الملہم'' عربی زبان میں مفتی شبیر احمد عثمانیؒ نے کتاب النکاح تک تحریر کی، لیکن شرح مکمل ہونے سے قبل ہی آپ کا انتقال ہوگیا۔ ''تکملۃ فتح الملہم'' مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے کتاب الرضاعہ سے اخیر تک ۶ جلدوں میں اس شرح کو عربی زبان میں مکمل کیا۔ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے ابتدائی ۶ جلدوں پر تعلیقات بھی تحریر فرمائیں۔ امت مسلمہ خاص کر عرب علماء میں اس شرح کو خاص مقبولیت حاصل ہے۔ عصر حاضر کے مشہور عرب عالم ڈاکٹر یوسف قرضاوی اور شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ نے اس شرح کی تقریظ تحریر کی ہے۔

(۳) مخطوطات: تیسرا زمرہ قدیم مخطوطات کی اشاعت کا ہے، یعنی حدیث کی اہم کتابیں جو صرف مخطوطہ کی شکل میں لائبریریوں میں موجود تھیں ان کو منظر عام پر لانا۔ اس سلسلہ میں سب سے اہم نام مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کا ہے جنہوں نے حدیث کی درجنوں کتابوں کو جو مخطوطات کی شکل میں موجود تھیں ایڈٹ کیا چنانچہ ''مصنّف عبدالرزاق''، امام بخاری کے استاد امام حمیدی کی کتاب ''مسند الحمیدی'' اور امام ابوبکر بزّار کی ''کشف الاستار عن زوائد البزار'' کو مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے تصحیح وتعلیق کا کام انجام دیا۔

علامہ بدرالدین عینیؒ نے امام طحاوی کی مشہور کتاب ''شرح معانی الآثار'' کی شرح ''نخب الافکار فی تنقیح مبانی الاخبار فی شرح معانی الآثار'' کے نام سے لکھی ہے، اس کتاب کا قلمی مخطوطہ مصر کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ مولانا سید ارشد مدنی صاحب نے اس مخطوطہ کو اپنی نگرانی میں ایڈٹ کرا کے ۱۲ جلدوں میں ہندوستان سے شائع کیا، اب یہ کتاب عرب ملکوں سے بھی شائع ہو رہی ہے۔

عصر حاضر کی علم حدیث کی اہم شخصیت مولانا ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی صاحب نے بھی ''صحیح ابن خزیمہ''، ''موطا مالک''، ''سنن ابن ماجہ''، ''سنن کبریٰ للنسائی'' اور حدیث کی دیگر کئی کتابوں کی تصحیح وتخریج اور تعلیق کا کام کیا ہے۔ اس کے علاوہ احادیث نبویہ کو سب سے پہلے انہوں نے ہی کمپوٹرائز کیا۔ ان کی کئی کتابیں عرب وعجم کی یونیورسٹیوں کے نصاب میں داخل ہیں، جن میں ''دراسات فی الحدیث النبوی وتاریخ تدوینہ'' کو ایک اہم مقام حاصل ہے جو ان کے پی ایچ ڈی مقالہ کا انگریزی سے عربی ترجمہ ہے۔ اس کے علاوہ موصوف نے اپنی متعدد کتابوں اور مقالوں میں قرآن وحدیث کی حفاظت اور تدوین پر مستشرقین کے اعتراضات کے مدلل انداز میں جواب دیے ہیں۔

برصغیر میں قرآن وحدیث کی خدمت انجام دینے والے چند علماء کا تذکرہ ہی اس مختصر سے مقالہ میں آیا ہے، ان کے علاوہ علماء کی ایک بہت بڑی تعداد ایسی ہے جنہوں نے قرآن وحدیث پر نئے نئے طریقوں سے کام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سبھی لوگوں کی خدمت کو قبول فرمائے، ان کی خدمات کو تمام اہل علم اور عام مسلمانوں کے لیے نافع بنائے اور امت مسلمہ کی طرف سے ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

جاوید اختر قاسمی

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

تعلیم نسواں اور بچوں کی تربیت

عبدالرحمٰن عمری

الحمد اللّٰہ رب العالمین ، والصلاۃ والسلام علیٰ أشرف الأنبیاء وسید المرسلین ، نبینا محمد وعلیٰ آلہ وأصحابہ أجمعین ، ومن تبعھم بإحسان إلی یوم الدین ... اما بعد!

فأعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ أوتُوا الْعِلْم دَرَجَاتٍ، وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُون خَبِیر (سورۃ المجادلۃ : ١١)

یا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا قُوْا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَاراً (سورہ التحریم: الایہ ٦)

پگھلنا علم کی خاطر مثال شمع زیبا ہے　　بغیر اس کے نہیں پہچان سکتے ہم خدا کیا ہے

صدر جلسہ، علمائے کرام اور خواتین وحضرات!

علم انسانی زندگی کا وہ جوہر ہے جس کے بغیر نہ فرد کا کردار بن سکتا ہے اور نہ ہی صحت مند سماج کی تعمیر ممکن ہے۔ علم دلوں کی زندگی، آنکھوں کا نور اور جسموں کی طاقت ہے، اسی علم کی بدولت دنیا اور آخرت کے بلند وبالا درجات تک رسائی ممکن ہے، علم ظلمت کی گھٹاؤں میں روشنی کا مینار ہے، نیز معرفتِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔

معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کا مقدس سلسلہ سرزمین مکہ ہی سے شروع فرمادیا تھا اور دارارقم پہلی درس گاہ قرار پائی جہاں نہ صرف اخلاقی ومذہبی تعلیم دی جاتی تھی بلکہ عملی تربیت پر اچھا خاصہ زور تھا، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری سے پہلے تین درس گاہیں (مسجد بنی زریق، مسجد قباوالی جگہ اور نقیع الخضمات نامی علاقہ میں) قائم ہوچکی تھیں جن میں مختلف صحابہ کرام تعلیم دینے پر مامور تھے۔

معلم اعظم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر شعبوں کی طرح حصول علم کے معاملہ میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی ہے ارشاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ''**طلب العلم فریضة علی کل مسلم**''یعنی حصول علم ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ (مسند احمد)

یہی وجہ ہے کہ عہد نبوی میں بھی تعلیم یافتہ خواتین کا ذکر ملتا ہے، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہما علم حدیث کے اسرار ورموز میں اس قدر مہارت رکھتی تھیں کہ ان کا کوئی مدمقابل نہ تھا، بہت سے تابعین نے ان سے اکتساب علم کیا۔ سیدہ ام الدرداء رضی اللہ عنہا کا علوم ومعارف میں بہت بلند مقام تھا، ان سے بھی ایک کثیر تعداد فیض یاب ہوئی، نیز شفا بنت عبداللہ عدویہ، حفصہ بنت عمر، ام کلثوم بنت عقبہ عائشہ بنت سعد اور کریمہ بنت مقداد رضی اللہ عنہن زیورِ علم سے آراستہ وپیراستہ تھیں۔

اسلام تعلیم نسواں کی نہ صرف اجازت دیتا ہے بلکہ اسے ضروری بھی سمجھتا ہے، لیکن وہ تعلیم اور اس کی غایت کیا ہونی چاہیے اس کا فیصلہ ضروری ہے۔ خواتین کو دین کی بنیادی تعلیم سب سے پہلے دی جائے، تاکہ وہ اپنے واجبات وفرائض اور دین کے احکام ومسائل کو اپنی ضرورت کی حد تک

سمجھ سکیں۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے لیے اکیلے معلم تھے،لیکن آپ نے نواز واج مطہرات کے ذریعہ صحابیات کواوران کے واسطے سے تمام مسلم خواتین کونومعلمات دیں۔

ایک مسلمان مرد یا عورت سے اولین مطالبہ دین کا علم ہے تا کہ وہ اسلامی زندگی بسر کر سکے، پھر دوسرے علوم کا درجہ آتا ہے۔اسلام لڑکیوں کی عصری تعلیم کا مخالف نہیں ہے،البتہ مخلوط تعلیم اور اسلامی طور وطریقہ سے عاری ہوکر تعلیم حاصل کرنے کا سخت مخالف ہے۔

اس وقت بہت ساری مسلم لڑکیاں عصری تعلیم حاصل کر کے سرکاری وغیر سرکاری اداروں میں بے پردہ کام کر رہی ہیں،مغربی تہذیب کی اندھی تقلید نے ان کو گھر کی چہار دیواری سے نکال کر بازاروں، دوکانوں،کلبوں، ہوٹلوں، محفلوں اور عشرت کدوں کی زینت بنا دیا ہے، نیز مخلوط نظام تعلیم نے عورتوں کو غیر شریفانہ زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا ہے اور یہ چیز ان کے لیے کافی خطرناک ہے، بقول علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ نظر موت

ایک عورت کے ساتھ اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا کہ اسے کلرک، ٹائپسٹ اور ائیر ہوسٹس بننے پر مجبور کیا جائے، اسی صورتِ حال کا اندازہ کرتے ہوئے شاعر اسلام علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا:

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی	قوم نے ڈھونڈلی فلاح کی راہ
روش مغربی ہے حد نظر	وضع مشرق کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈرامہ دکھائے گا کیا سین	پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

گھریلو زندگی میں عورت کی الگ الگ حیثیت ہوتی ہے جیسے بیٹی، بیوی، بہو وغیرہ اور ہر حیثیت سے اس کی ذمہ داریاں بھی الگ الگ ہوتی ہیں، لیکن ماں کی حیثیت سے اس کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہو جاتا ہے،ان ذمہ داریوں کی دو قسمیں ہیں،پہلی قسم کا تعلق بچہ کی جسمانی نشو ونما سے ہے،مثلاً بچہ کو صحیح وقت پہ صحیح خوراک دینا، مناسب لباس کا انتظام کرنا، اس کو گرم اور سرد سے بچانا، بیماری سے حفاظت کرنا اور بیمار ہونے پر تیمارداری کرنا وغیرہ۔دوسری قسم کا تعلق ذہنی نشو ونما سے ہے،مثلاً اسے بولنا سکھانا، جب کچھ بولنے اور سمجھنے کے قابل ہو جائے تو اس سے زیادہ سے زیادہ بات کرنا اور بتدریج اچھی اچھی باتیں بتانا، بلاوجہ ڈانٹ پھٹکار اور ہر اس چیز سے احتراز کرنا جس سے بچہ میں خوف یا احساس کمتری پیدا ہو۔پہلی قسم سے تعلق رکھنے والی ذمہ داریوں کو ایک عام عورت بھی انجام دے سکتی ہے،لیکن پہلی قسم سمیت دوسری قسم کی ذمہ داریوں کو صحیح ڈھنگ سے نبھانا عام عورت کے بس میں نہیں، ان کو صرف اور صرف ایک تعلیم یافتہ عورت ہی انجام دے سکتی ہے۔ایک بچے کی پیدائش کے بعد سے لے کر بڑے ہونے تک اس کی پرورش و پرداخت اور اس کی دیکھ ریکھ اور تربیت میں سب سے اہم اور بنیادی کردار ماں کا ہوتا ہے، پرورش کے ان مراحل میں بچہ کی ضروریات بے شمار ہوتی ہیں جن میں سے بیشتر کو ماں پورا کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ دوسروں کی بہ نسبت بچہ کا میلان اپنی ماں کی طرف زیادہ ہوتا ہے۔ پرورش کے اس دورانیہ میں بچہ اپنی ماں سے بہت کچھ سیکھتا ہے اور یہ سیکھی ہوئی چیزیں اس کی طبیعت کا حصہ بن جاتی ہیں، ایسے میں ماں اگر تعلیم یافتہ ہے تو وہ اپنے بچہ کی پرورش بہترین خطوط پر کرتی ہے، تا کہ اس کا لاڈلا جسمانی اور ذہنی دونوں اعتبار سے صحت منداور توانا رہے،اس کے برعکس اگر ماں تعلیم یافتہ نہیں ہے تو بچے کی پرورش صحیح ڈھنگ سے نہیں ہو پاتی،لہٰذا آج وقت کا تقاضا ہے کہ عورتیں بھی تعلیم کے زیور سے آراستہ ہوں اور ایک بیٹی، ایک بیوی اور خصوصاً ایک ماں کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں بہ حسن وخوبی نبھا سکیں اور بچوں کی

تربیت بہتر انداز سے کرسکیں۔ یاد رکھیں کہ ماں کی گود کو بچہ کی پہلی درس گاہ سے تعبیر کیا گیا ہے، بچہ یہیں سے اپنی زندگی کی ابتدائی تعلیم حاصل کرتا ہے اور یہی ابتدائی تعلیم بچہ کی آنے والی زندگی کو سنوارنے اور بگاڑنے میں کلیدی رول ادا کرتی ہے۔

مسلم خواتین کے لیے ضروری ہے کہ وہ دینی تعلیم حاصل کریں، تاکہ وہ اپنے دین کے تئیں حساس ہوں اور بلند کرداری کے ساتھ ایسی زندگی گزاریں جس میں اطاعت وعبدیت کی شان پائی جاتی ہو، اسلام کی عظمت سے دل معمور ہوں، نیز کھانے پینے میں، اٹھنے بیٹھنے میں، رہن سہن میں پہننے اوڑھنے میں اور رفتار وگفتار میں اسلامی شعار کا مکمل پاس ولحاظ ہو۔ بچوں کی اسلامی تربیت اسی وقت ممکن ہے جب ماں خود دین دار صالحہ اور پاک طینت ہو۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ہر کامیاب شخص کے پیچھے کسی عورت کا ہاتھ ضرور ہوتا ہے۔ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی سچائی کی وجہ سے ڈاکوؤں کا گروہ اپنے جرم سے تائب ہوجاتا ہے، اس کے پیچھے ایک ماں کا ہی ہاتھ تھا کہ اس نے اپنے بیٹے کو سچائی کی تعلیم دی تھی اور جھوٹ بولنے سے منع فرمایا تھا۔

مسلم خواتین اولاد کی تربیت میں اس بات کا مکمل اہتمام کریں کہ انہیں توحید کی تعلیم سب سے پہلے دیں، ان کا عقیدۂ توحید زندگی کے کسی بھی موڑ پر ڈگمگانے نہ پائے، نیز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری کا درس اس انداز میں دیں کہ ان کے دل ودماغ میں آپ کی سچی محبت راسخ ہوجائے، ان کو دیومالائی کہانیوں کے بجائے انبیاء کرام، صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور سلف صالحین کے سبق آموز واقعات سنائیں۔ علوم اسلامیہ کی اہمیت وعظمت دلوں میں اتاری جائے، فکر ومزاج، تصور وخیالات، معاملات وعادات کو اسلامی وایمانی رنگ میں ڈھالا جائے ساتھ ہی ساتھ انہیں اخلاص وللّٰہیت، تقویٰ وپرہیزگاری، اخلاق وکردار، شرم وحیا اور عفت وعصمت کی تعلیم دی جائے، ان کو اخوت وبھائی چارگی، ایثار وقربانی، عفو ودرگذر، جرأت وبہادری اور حقوق کی پاسبانی کی اہمیت وفضیلت سے روشناس کرایا جائے اور معاشرتی آداب سے بھی ان کو آگاہ کیا جائے، تاکہ جب یہ جوان ہوں تو ان کے پاس اسلام کی اتنی روشنی ضرور ہو جس سے وہ صحیح وغلط، سچ وجھوٹ، حلال وحرام اور حق وباطل کو آسانی سے پہچان لیں اور زندگی کی راہ پر کامیابی کے ساتھ محوسفر رہیں۔

خلاصۂ تحریر یہ ہے کہ عورتیں حدود وقیود میں رہتے ہوئے دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم سے بھی لیس ہوں، نیز امور خانہ داری، کشیدہ کاری اور سلائی وغیرہ سے بھی واقفیت ہو۔ ایک تعلیم یافتہ اور ہنرمند عورت ہر جگہ باعزت طور پر زندگی گزار سکتی ہے، اپنے بچوں کے مستقبل کو سنوار سکتی ہے اور اگر معاشی مسائل درپیش ہوں تو اس پر کافی حد تک قابو پاسکتی ہے۔ اس لیے ہماری تمام مائیں بہنیں علم دین ضرور حاصل کریں، امہات المومنین، صحابیات اور دیگر عظیم مسلم خواتین کے کردار کو اپنے سامنے رکھیں اور ان کی زندگیوں کو اپنا آئیڈیل بنائیں، کیوں کہ اگر آپ دینی تعلیم سے آراستہ ہوں گی تو پورے گھر کو اسلام کے سانچے میں ڈھال سکتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اور ہماری ماؤں بہنوں کو علم کی عظمت اور اہمیت کو سمجھنے والا، اس کو حاصل کرنے والا اور دینی علوم کی روشنی میں اولاد کی اسلامی تربیت کرنے والا بنائے، آمین۔

اب جس کے جی میں آئے وہی پائے روشنی　　میں نے تو دل جلا کے سرعام رکھ دیا

عبدالرحمٰن عمری

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

دینی مدارس اسلام کے قلعے ہیں

عبدالرزاق قاسمی

الحمد اللّٰہ رب العالمین ، والصلاۃ والسلام علیٰ رسولہ سید الأنبیاء والمرسلین ، وعلیٰ آلہ وأصحابہ أجمعین ... اما بعد

تعلیم کسی بھی قوم کی تہذیبی اور تمدنی روایات کی آئینہ دار ہوتی ہے، کسی ملت کی تہذیب کے گیسوسنوارنے اور کسی ملک کی تہذیب کو پروان چڑھانے کے لیے ایک ہمہ گیر نصابِ تعلیم ہی کو معیار قرار دیا جاسکتا ہے، اس لیے ہر زندہ قوم اپنے تشخص اور ملی وجود کو برقرار رکھنے کے لیے اپنے نظام تعلیم کو ایسے رنگ ڈھنگ سے مرتب کرتی ہے کہ اس میں اپنی ثقافت کی روح بھی پھونک دیتی ہے اور اپنے مزاج کو بھی سمو دیتی ہے، تاکہ معاشرہ میں ہر فرد کی عملی وفکری تعمیر اس کی ثقافت اور اقدار پر پختگی کے ساتھ ہو، تاکہ نئی نسل جب مستقبل میں ملک وملت کی باگ ڈور سنبھالے یا کسی بھی سطح کی عملی زندگی میں قدم رکھے تو اپنے بنیادی عقائد ونظریات اور اساسی افکار وخیالات کی اس خوش اسلوبی سے خدمت کرے کہ وہ اپنا تشخص اور وجود برقرار رکھ سکے۔

بعثتِ نبوی سے پہلے انسانی معاشرہ کرب انگیز حالات سے دوچار تھا، علم ومعرفت سے دور ہوکر جہالت کے اندھیروں میں پڑا سسک رہا تھا، انسانیت، شرافت، مروت، ہمدردی وغمخواری جیسی صفات معاشرہ میں ناپید ہوگئی تھیں، ہر سو ظلمت وتاریکی چھائی ہوئی تھی، ایسے پرخطر حالات میں نبی امی محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوہِ حرا سے یہ پیغام سنایا جاتا ہے کہ پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پھر دوبارہ حکم ملا پڑھیے آپ کا پروردگار بڑا باعزت ہے جس نے انسان کو قلم کے ذریعہ تعلیم دی اور وہ تمام باتیں سکھلائیں جو وہ نہیں جانتا تھا۔ دیکھئے ایسے بگڑے ہوئے معاشرہ کی درستگی کے لیے جس چیز کو بنیاد بنایا گیا وہ تعلیم ہے، چنانچہ اس بات پر زور دیا گیا کہ خدائی تعلیمات اور آسمانی ہدایات کو حاصل کیا جائے، کیوں کہ ان کے ذریعہ انسان علم ومعرفت، انسانیت، شرافت، تہذیب واخلاق سے آراستہ ہوکر اپنے کھوئے ہوئے مقام کو حاصل کرسکے گا اور انسانی خوبیوں سے متصف ہوکر دنیا کے لیے رحمت کا سبب بنے گا۔ دنیا نے دیکھا کہ قرآن وحدیث کی حامل شخصیت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت سے براہِ راست اکتسابِ فیض کرکے مصلحین امت کی وہ شاندار اور بے نظیر جماعت منصۂ شہود پر آئی کہ رہتی دنیا تک لوگ ان کی مثال اور نظیر پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ اس کے بعد جس مبارک جماعت نے ان کے نقش قدم پر چل کر امت کی رہبری کا فریضہ انجام دیا وہ بھی اس امت کے قائدین میں نہایت اعلیٰ مقام رکھتے ہیں، امتِ مسلمہ نے ان کو تابعین کے باوقار لقب کے ساتھ موسوم کیا۔ یہ سلسلہ چلتا رہا اور بڑے بڑے مفسرین، محدثین، فقہاء اور مجتہدین پیدا ہوئے، درجہ بہ درجہ اسلامی تعلیمات وہدایات کی پاسبانی کے لیے افراد تیار ہوتے رہے۔ اس کے بعد افراد سازی کے لیے اسلامی مملکت کے سربراہوں کی نگرانی میں ادارے وجود میں آئے جہاں نہایت باصلاحیت علماء کو تدریس کے لیے مقرر کیا گیا۔ یہ طریقۂ کار امت کے سامنے پائیدار نمونہ کی شکل میں وجود میں آیا اور اسلامی معاشرہ کے درمیان پوری آب وتاب کے ساتھ باقی رہا۔

ہندو پاک میں مدارس کا تاریخی پس منظر:

برصغیر ہندو پاک میں مسلمانوں کا فاتحانہ داخلہ پہلی صدی ہجری یعنی ساتویں صدی عیسوی (۹۳ ہجری) میں ہوا، محمد بن قاسم نے جس وقت سندھ پر حملہ کیا اس وقت مسلمان سندھ پہنچ چکے تھے۔ ان فتوحات کے بعد مزید ترقی ہوئی، اس سلسلہ میں کتب رجال میں ایسے متعدد علماء، محدثین اور

ادیبوں کے نام ملتے ہیں جنہوں نے حجاز وعراق کے علماء سے سند قبولیت حاصل کی تھی۔ برصغیر میں اسلامی حکومت کی بنیاد سلطان محمود غزنوی اور سلطان شہاب الدین غوری کی مجاہدانہ مساعی کی مرہونِ منت ہے، لیکن ایک علمی فاتح البیرونی اس سے قبل یہاں آچکا تھا جس نے اس ملک کے علوم کو اپنی زبان میں منتقل کیا۔ محمود غزنوی کے جانشین شہاب الدین مسعود کے عہد میں بہ کثرت مساجد کی بنیاد پڑی اور ان کے ساتھ مدارس کا بھی انتظام کیا گیا۔ شہاب الدین غوری کی فتوحات کے بعد اجمیر میں متعدد مدارس قائم کیے گئے اور غالباً وہیں اس ملک کی قدیم درس گاہیں ہیں۔ سلطان محمد غوری کے غلام اور نائب السلطنت قطب الدین ایبک نے بھی ترویجِ علم کی طرف توجہ دی اور ملک کے مختلف حصوں میں بے شمار مساجد تعمیر کیں اور مدارس قائم کیے۔ برصغیر کے اس قدیم عہد میں مدارس کے لیے الگ عمارتیں بنانے کا سلسلہ نہ تھا بلکہ یہ کام عموماً مساجد سے لیا جاتا تھا۔ مساجد کے علاوہ بزرگانِ دین کی خانقاہیں بھی مدارس کا کام دیتی تھیں، اس عہد کے مشائخِ عظام مشائخِ طریقت ہی نہ تھے بلکہ وہ مدرسِ شریعت بھی تھے، بڑے بڑے متبحر علماء کے گھر اور مکان بھی دارالعلوم کی حیثیت رکھتے تھے، حکومت نے ان علماء کو فکرِ معیشت سے آزاد کر دیا تھا اور علم وحکمت کے پیاسے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے، برصغیر کی علمی زبان فارسی تھی اور اسی میں درس وتدریس ہوتی تھی، صرف قرآن وحدیث کی تعلیم عربی میں دی جاتی تھی، ابتدائی جماعتوں میں قرآن پاک کے علاوہ لکھنا پڑھنا، حساب وکتاب اور خوش نویسی کی بنیادی تعلیم بھی دی جاتی تھی، درمیانی تعلیم کے لیے طلباء قصبات اور شہروں کے فارسی مکاتب میں داخل ہوتے تھے جس کے بعد فارسی پڑھ کر سرکاری ملازمت سے منسلک ہو جاتے تھے اور اعلیٰ تعلیم سے شوق رکھنے والے طلباء بڑے شہروں اور بڑے مدارس میں اخلاقیات، ریاضیات زراعت، طب، الٰہیات اور تاریخ کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔

شہاب الدین غوری کے ہاتھوں ہندوستان میں ۵۸۹ ہجری بمطابق ۱۱۹۲ عیسوی کو اسلامی حکومت قائم ہوئی اور سلطنت کے قائم ہوتے ہی درس وتدریس کا چرچا بھی ہندوستان بھر میں پھیل گیا، اس آغاز سے مدارس کا سلسلہ چل نکلا، امراء، سلاطین اور علماء وفضلاء کی کوششوں سے ہندوستان کے ہر کونے میں مدارس قائم ہوتے چلے گئے۔ سلطان محمد غوری کے عہد میں دہلی میں ایک ہزار اسلامی مدارس قائم تھے، جن میں ایک مدرسہ شوافع کا بھی تھا، مدرسین کے لیے شاہی خزانہ سے وظیفہ مقرر تھا، مدارس میں علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ ریاضی اور معقولات کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔

مسلم حکمرانوں کی جانب سے مدرسوں اور علماء کی سرپرستی بدستور جاری رہی، دہلی کی مرکزی حکومت کے کمزور پڑ جانے کے بعد بھی صرف اضلاع روہیل کھنڈ میں جو دہلی سے قریب تر تھے پانچ ہزار علماء مختلف مدارس میں درس دیتے تھے اور نواب رحمت خان کی ریاست سے تنخواہیں پاتے تھے۔ مغلیہ بادشاہوں کے دور حکومت میں بھی دینی مدارس کی بھرپور سرپرستی کی گئی۔

انگریزوں کے دور میں دینی مدارس کا قیام:

اورنگ زیب عالم گیر کی وفات کے بعد سلطنتِ مغلیہ کا زوال شروع ہو گیا تھا اور اشاعتِ تعلیم دینیہ کے لیے حکومت کی سرپرستی بھی کم ہو گئی تھی سلاطین دہلی اور سلاطین مغلیہ کے عہد میں قائم ہونے والے دینی مدارس اور ان کے مصارف واخراجات کے لیے قائم کردہ اوقاف اور وظائف کو انگریزوں نے سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ختم کر دیا اور ان کی جگہ انگریزی تعلیم کو رواج دیا۔ مسلمانوں کے پاس نہ حکومت تھی نہ سلطنت، نہ دولت تھی نہ ذرائع دولت، مزید یہ کہ انگریز حکمرانِ وقت کے دشمنوں میں بھی مسلمان سرفہرست تھے۔

ان حالات میں مسلمانوں کا واحد سہارا اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی بھیجی ہوئی تعلیمات تھیں، چنانچہ مسلمانوں نے اسی ذاتِ لازوال پر بھروسہ کر کے اس کے دین حق کی حفاظت کی اور مسلمانوں میں اس کی تبلیغ واشاعت کے لیے نئے سرے سے دینی مدارس کے قیام کا آغاز کیا۔ علمائے

اسلام اور دینی علوم کے اساتذہ نے توکل علی اللہ کر کے درختوں اور دیواروں کے سایہ تلے اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات کو جاری وساری رکھا ان پیکرانِ علم وعرفان اور زہد وتقویٰ کے حلقۂ تلامذہ میں صرف ونحو، قرآن وحدیث اور فقہ وکلام کا سلسلہ شروع ہوا، آگے چل کر یہ حلقہ ہائے تعلیم وتعلم دینی مدارس کی شکل اختیار کرنے لگے۔ دینی مدارس کے نئے دور کی بنیاد علماء کے علم وزہد، مخیّر حضرات کے عطیات، دین دار مسلمان زمینداروں اور تاجروں کے دیہی وشہری اوقاف پر رکھی گئی اور یہ دینی مدارس حکومتِ وقت کی امداد اور سرپرستی کے بغیر ہی اسلام کی اشاعت وترویج میں مصروف رہے اور مسلمانوں کا ملی تشخص انہی کی بدولت قائم ودائم رہا۔

مغلیہ سلطنت کے خاتمہ کے بعد تعلیم کی سرپرستی ختم ہوگئی، لیکن اس کے باوجود شاہ عبدالرحیم، حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان نے علم کی تدریس وتبلیغ کا کام جاری رکھا، اسی طرح لکھنؤ میں علمائے فرنگی محل نے بھی تعلیم وتدریس کو آگے بڑھایا۔ اس کے بعد ۱۸۵۷ء کے ہنگامے نے جب دہلی کی سیاسی مرکزیت کو ختم کر دیا تو اس کی علمی اور تعلیمی مرکزیت بھی ختم ہوگئی، انگریز دہلی کی حکومت پر قابض ہو گئے، وہ متحدہ ہندوستان کے باشندوں کو جسمانی طور پر اپنا غلام بنانے میں کامیاب ہو چکے تھے اور اب ان کو ذہنی غلامی کے شکنجے میں جکڑنا چاہتے تھے، تاکہ ان کی حکومت میں مزید استحکام پیدا ہو جائے، اس مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے انہوں نے مختلف جگہوں پر مشنری اسکول قائم کیے جہاں انگریزی زبان کے ساتھ ساتھ عیسائیت، انگریزی تہذیب وتمدن اور افکار وخیالات کی تعلیم دی جاتی تھی۔ انگریزوں کو اپنے مقصد میں کامیابی اس وقت خطرے میں پڑتی محسوس ہوئی جب انہوں نے دیکھا کہ سرزمین ہند پر ایک جماعت ایسی بھی ہے جو ان کے دام فریب میں آنے کے بجائے برٹش حکومت اور خاص طور پر اس کی ماتحتی میں قائم کیے گئے مشنری اسکولوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر رہی ہے۔ یہ جماعت بوریہ نشین علماء کی تھی جن کا احتجاج روز افزوں ترقی کر رہا تھا۔ انگریزوں کو اس بات کا احساس ہو چکا تھا کہ اگر چنگاری کو بروقت نہیں بجھایا گیا تو کل یہی چنگاری آگ بن کر ان کے مشن اور ان کی حکومت کو راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کر سکتی ہے، چنانچہ انہوں نے علمائے کرام کو نشانہ بنانا شروع کیا، نتیجہ یہ نکلا کہ علمائے کرام پر طرح طرح کی زیادتیاں شروع ہوگئیں، ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے، تشدد کے نئے نئے طریقے آزمائے گئے، اتنا ہی نہیں بلکہ ہزاروں علماء کو سولی پر چڑھا کر یا پھانسی پر لٹکا کر یا آگ میں ڈال کر یا پھر گولیوں کا نشانہ بنا کر شہید کر دیا گیا اور اتنی ہی بڑی تعداد کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ ایسے پرآشوب حالات میں خاندان ولی اللہ سے فیض یافتہ تین علمائے کرام حضرت مولانا قاسم نانوتوی، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے دوسرے علماء سے مل کر اسلامی تعلیم اور دینی تبلیغ کا ایک نیا سلسلہ شروع کیا اور مسلمانوں کے دین ومذہب، علوم وفنون، تہذیب وتمدن، اخلاق واعمال اور معاشرت وکلچر کی بقاء کے لیے نیز انگریزوں کی دینی وفکری یورش کا کامیابی سے مقابلہ کرنے کے لیے مدارسِ اسلامیہ کے قیام کی باقاعدہ جدوجہد کی اور متحدہ ہندوستان میں مدارس کا جال بچھایا جن میں سے چند مشہور مدرسوں کے نام درج ذیل ہیں:

دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارن پور، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، جامعہ قاسمیہ دارالعلوم شاہی مرادآباد، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد۔ ان کے علاوہ اور بھی متعدد علمی مراکز وجود میں آئے اور اس طرح برصغیر ہند میں علوم اسلامیہ دینیہ کی ترویج واشاعت میں علماء کی خدمات کا سلسلہ جاری رہا۔ آج ہندوپاک کے جس گوشے میں بھی اسلام کی روشنی نظر آرہی ہے اور قال اللہ وقال الرسول کی آواز سنائی دے رہی ہے وہ انہیں مدارس کی بدولت ہے۔

جدید تعلیم کا احیا:

اٹھارویں صدی میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے اقتدار حاصل کرنے کے بعد کلکتہ میں مدرسہ قائم کیا اور اس کے بعد سنسکرت کالج قائم کیا۔ برصغیر میں جدید انگریزی تعلیم کی تاریخ ۱۷۹۷ء سے شروع ہوتی ہے۔ سر چارلس گرانٹ نے کمپنی کو خط لکھ کر یہ منظوری حاصل کی کہ ابتدا میں ذریعۂ تعلیم ہندوستانی زبان میں ہو اور بعد میں بتدریج انگریزی کو رواج دیا جائے۔ ۱۸۵۵ء میں راجہ رام موہن رائے کی شرکت سے کلکتہ میں ایک انگریز نے کالج قائم کیا، اس طرح آہستہ آہستہ انگریزی تعلیم زور پکڑتی گئی، ہندو انگریزی سے مستفیض ہو کر ملازمتیں حاصل کرتے رہے اور مسلمان انگریزی سے دور رہ کر ملازمتوں کے دروازے اپنے اوپر بند کرتے رہے۔ ۱۸۳۴ء میں عدالتوں سے فارسی زبان کو خارج کر دیا گیا اور اسی سال لارڈ میکالے نے اپنی کوششوں سے انگریزی تعلیم کا اجراء منظور کروایا اور کلکتہ، مدراس اور بمبئی میں یونیورسٹیاں قائم کی گئیں، مسلمانوں کے تمام اوقاف ضبط کر لیے گئے اور ان اوقاف کی آمدنی دوسری قوموں پر صرف کی گئی، مسلمانوں کا نظام تعلیم جس کا دارومدار انہی معاشیات پر تھا تہ و بالا ہو گیا، اس وقت سر سید احمد خان نے علی گڈھ تحریک کا آغاز کیا اور اس تحریک کی بدولت برصغیر کے مسلمانوں نے نہ صرف یہ کہ ہر علمی شعبہ میں ترقی کی بلکہ جدید تعلیم کے نئے ادارے بھی قائم کیے۔

مدارس کی تربیت کا رخ:

ہندوستان کے بدلتے ہوئے حالات میں مدارس دینیہ کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ مسلمان کو بلحاظ دین و مذہب اور بلحاظ معاشرت موجودہ حالات کی رو میں بہنے نہیں دیا بلکہ پختگی و عزیمت کے ساتھ انہیں اسلامی سادگی اور دینی ثقافت کے زاہدانہ و متوکلانہ اخلاق پر قائم رکھا جو بدلتے ہوئے تمدن و معاشرت میں ایک مشکل امر تھا، اس طرح مسلمانوں میں اسلامی مدنیت کا عام نقشہ قائم رہا، جدید تمدن و معاشرت میں اغیار کی نقالی کا غلبہ نہیں ہو سکا اور اسلامی غیرت و حمیت باقی رہ گئی۔ اغیار کی نقل کے بجائے سنتِ نبوی کو معیار زندگی بنانے کے جذبات عام مسلمانوں میں پیدا ہو گئے جس سے آج تک عام تمدن و معاشرت میں پرہیزگاری اور تقویٰ و طہارت قائم و دائم ہے اور اس طرح امکانی حد تک دین میں آزاد فکری، آزاد روشی اور بے قاعدگی کی مداخلت پر روک لگ گئی۔

قصہ مختصر یہ کہ آج برصغیر میں اسلام انہی مدارس کی وجہ سے قائم ہے، انہی مدارس کے اہل علم سے فیض پانے والے وہ علماء و فضلاء تیار ہوئے جنہوں نے تعلیم، تصنیف، خطابت، تذکیر، تبلیغ، تزکیۂ اخلاق، افتاء، درس و تدریس امامت و حکمت اور طب وغیرہ میں بیش بہا خدمات انجام دیں۔ ان علماء و فضلاء نے کسی مخصوص خطہ میں میں نہیں بلکہ ہندو پاک کے ہر صوبہ، ہر شہر، ہر قصبہ، ہر محلّہ اور ہر قریہ سمیت بیرونی ممالک میں بھی مذہب اسلام کی تعلیم و تبلیغ میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

مدارس کا نصابِ تعلیم:

مدارس کے نصابِ تعلیم کو نہایت ہی بنیادی و اساسی اہمیت حاصل ہے جس سے یہاں کے فارغ التحصیل علماء کا دینی رخ متعین ہوتا ہے۔ درجات عربیہ میں بہت سارے علوم و فنون داخل ہیں جن میں کچھ علوم عالیہ ہیں جو مقاصد کا درجہ رکھتے ہیں اور کچھ علوم آلیہ ہیں جو علوم عالیہ کے لیے ممد و معاون یا وسائل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ علوم عالیہ قرآن و حدیث، تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم عقائد و کلام وغیرہ۔ علوم آلیہ صرف و نحو، معانی و بیان، ادبِ عربی، منطق، فلسفہ وغیرہ۔ ان ہی کتابوں کو پڑھ کر بڑے بڑے مفسرین، محدثین، علماء و فضلاء تیار ہوتے رہے ہیں، ہو رہے ہیں اور انشاء اللہ ہوتے رہیں گے۔

عبدالرزاق قاسمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عصری درسگاھوں میں دینی تعلیم کی ضرورت

اشرف علی قاسمی

معزز سامعین کرام! لجنہ علمیہ کی چھٹی ورکشاپ ''علم کی روشنی'' پر منعقد کی گئی ہے جس میں میرے مقالہ کا عنوان ہے ''عصری درسگاہوں میں دینی تعلیم کی ضرورت''، جس کے اندر میں علم دین کی ضرورت، مدرسوں اور عصری درس گاہوں پر ایک طائرانہ نظر، عصری درس گاہوں میں دینی تعلیم کا طریقہ اور مسائل اور اس کے حل پر روشنی ڈالوں گا۔

یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ دنیا کا کوئی بھی نظام علم کے بغیر نامکمل ہے، کوئی قوم علم کے بغیر عزت حاصل نہیں کرسکتی، علم روشنی ہے، جہالت اندھیرا ہے، قوم وملت کی ترقی وخوشحالی اچھی تعلیم وتربیت پر منحصر ہے، علم ہی ایسا ذریعہ ہے جس سے معرفت خداوندی حاصل ہوسکتی ہے، علم ہی وہ چراغ ہے جس کی مدھم لو کو بھی دنیا نہیں بجھا سکتی۔

ایک مسلمان کے لیے وقت اور حالات کے پیش نظر جہاں دنیاوی تعلیم کے مختلف شعبوں کا علم حاصل کرنا ایک ضرورت بن گیا ہے، وہیں دین کے بنیادی اور ضروری مسائل کا علم حاصل کرنا فرض ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ ہر مسلمان پر علم کا طلب کرنا فرض ہے (ابن ماجہ)، لہٰذا جو چیزیں فرض ہوتی ہیں اس میں کوتاہی کرنا گناہ عظیم ہوتا ہے اور جو چیزیں فرض ہوتی ہیں اس کا سیکھنا بھی فرض ہوتا ہے۔

چنانچہ اسلام کے ان احکام کا علم حاصل کرنا بھی فرض ہے جن پر دین کی بنیاد قائم ہے، جیسے ہر مکلّف مسلمان مرد وعورت پر وضو، غسل، نماز اور روزہ کا علم اور صاحبِ نصاب پر زکاۃ کا علم اور جس پر حج فرض ہوا ہے اس کو حج کے مسائل کا علم، اسی طرح ہر پیشہ والے کو اس کے پیشہ سے متعلق علم دین کا حاصل کرنا فرض ہے تاکہ وہ حرام سے بچ سکے۔

مدرسوں پر ایک طائرانہ نظر:

آیئے ایک نظر مدرسوں پر ڈالتے ہیں۔ مدرسہ کیا ہے؟ مدرسہ وہ جگہ ہے جہاں علم دین کی تعلیم دی جاتی ہے، جہاں انسانوں کو انسانیت سکھائی جاتی ہے، جہاں اخلاقیات کا درس دیا جاتا ہے، معاشرت کے طریقے سکھائے جاتے ہیں اور زندگی گذارنے کے آداب سکھائے جاتے ہیں۔

عموماً ہمارے معاشرے کے غریب، نادار، مفلس اور یتیم بچے ہی علم دین حاصل کرتے ہیں، وہی ہماری امامت کرتے ہیں، وہی ہماری مسجدوں کو آباد کرتے ہیں، مسجدوں میں اذان دیتے ہیں تو کہیں دین کا درس دیتے ہیں، کبھی نکاح پڑھاتے ہیں تو کبھی جنازہ۔ گویا ہم سب کی طرف سے یہ چند افراد فرض کفایہ ادا کرتے ہیں، جب کہ ہم سب پر ان امور کا سیکھنا فرض ہے۔ آج بہت سے مدارس میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم بھی دی جارہی ہے جس سے روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والے حالات اور ضرورتوں کو بخوبی انجام دیا جاسکتا ہے اور مزید عصری تعلیم حاصل کرنے کے لیے عصری درس گاہوں میں بآسانی داخلہ لیا جاسکتا ہے۔

مدرسوں کی اہمیت کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ مدرسہ ہی ایک واحد ادارہ ہے جہاں دین کی مکمل تعلیم دی جاتی ہے، روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والے مسائل کا حل قرآن وسنت کے مطابق بتایا جاتا ہے، حلال وحرام کے مابین تمیز کا درس دیا جاتا ہے۔

یاد رکھئے ! اگر ہم نے اپنے بچوں کو صرف اور صرف عصری تعلیم دی اور دینی تعلیم سے آگاہ نہیں کیا، فرائض واخلاقیات کا درس نہیں دیا تو یہ بچے جن پر آپ نے اپنی جان توڑ محنت کی اور اپنی زندگی کی کمائی کا بیشتر حصہ صرف کیا آپ کے لیے وبال جان بن جائیں گے، عذاب کا باعث بنیں گے، اس لیے ان کے والدین اور سرپرست ہونے کی حیثیت سے آپ کا فرض بنتا ہے کہ ان کو دینی تعلیم دیں۔

اسکولوں پر ایک طائرانہ نظر:

آیئے ایک نظر اسکولوں پر بھی ڈالتے ہیں۔ اسکول کیا ہے؟ جہاں دنیوی تعلیم دی جاتی ہے، سائنس، جغرافیہ، طب اور ٹیکنیکل چیزوں کا علم سکھایا جاتا ہے اور ایسے اسکول بھی ہیں جہاں مغربی ذہن سازی کی جاتی ہے، مغربی نظریۂ تعلیم بچوں کے ذہنوں میں بٹھایا جاتا ہے جن کے عقائد، اصول، اخلاقی اقدار ونظریات، معاشرتی طور طریقے مکمل طور سے اسلامی عقائد اور طور طریقوں سے مختلف ہیں اور بعض اسکولوں میں نظام تعلیم مغرب کی سازش ہے۔

آیئے ذرا مسلم اسکولوں پر بھی ایک نظر ڈالتے ہیں ! یہ اسکولز بھی بہت حد تک عیسائی مشنری سے مرعوب ہیں۔ بچوں کو ڈانس اور میوزک سکھایا جاتا ہے اور اس کو فنون لطیفہ کا نام دیا جاتا ہے جہاں کا یونیفارم بچیوں کے لیے نیم عریاں ہوتا ہے۔ تھوڑی بہت اگر دین کی تعلیم دی جاتی ہے تو فرائض اور بنیادی احکام کی نہیں۔ نمازوں کا وقت ہوتا رہتا ہے اور نماز و جماعت کا کوئی انتظام اسکول کی جانب سے نہیں ہوتا۔

دینی تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے کچھ خطرناک نتائج:

دینی تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے مذہب اور ایمان کو فضول سمجھا جانے لگا ہے۔ اخلاقی اقدار، شرم وحیاء اور تواضع وانکساری کو کمزوری اور عجز پر محمول کیا جانے لگا ہے۔ اگر کچھ لوگ مذہبی قسم کے ہیں تو انہوں نے دین ودنیا کو دو خانوں میں بانٹ دیا ہے اور مذہب ودین کو پرائیوٹ معاملہ کہہ کر اس کو مدارس ومساجد اور نماز وروزہ تک محدود ومقید کر دیا ہے اور زندگی کے دیگر شعبوں میں پوری طرح سے آزاد ہیں۔

بہت سے لوگوں کو اسلام کے بنیادی عقائد اور احکام میں شکوک وشبہات پیدا ہو گئے ہیں، پھر جو بزدل ہیں وہ اہل علم سے معلوم کرنے کے بجائے دلوں میں لیے پھرتے ہیں جب کہ جری لوگ اسلام پر برملا حملہ کرتے ہیں جس کا پتہ اخبارات وجرائد کے کالم دیتے رہتے ہیں۔

اس تعلیم کا مقصد ہی عیش وآرام اور مال ودولت ہے، سوسائٹی میں ایک مقام پیدا کرنا ہے، ہم کسی سے کم نہیں کے ماحول میں گھسنا ہے، اپنے مال ودولت پر فخر کرنا ہے جس کا لازمی نتیجہ غریبوں سے دوری اور اجتناب ہے، ان سے نفرت ہے، ساتھ ہی ساتھ دینی اجتماعات میں جانا خلاف شان سمجھنے لگتے ہیں۔

عصری درسگاہوں میں دینی علوم دینے کے متعلق چند تجاویز:

آج کا دور فتنہ کا دور ہے، ہر طرح سے اسلام اور مسلمانوں کو برباد اور ختم کرنے کی ناپاک سعی کی جارہی ہے، ایسے وقت میں ہمارے اوپر فرض کے درجہ میں ضروری ہے کہ ہم اپنی نئی نسل کے دین اور ایمان کی فکر کریں۔

۱۔ عصری درسگاہوں میں ایک یا دو کلاس کا اضافہ کیا جائے اور اس میں دین کی تعلیم دی جائے۔

۲۔ اگر آپ عصری درسگاہوں اور اسکولوں کے ذمہ دار ہیں تو نصاب تعلیم میں دینی تعلیم کا اضافہ کریں جس میں دینی تعلیم دی جائے، فرائض واحکام سے واقفیت کرائی جائے اور اردو و عربی زبان کی ضروری معلومات کرائی جائے۔

۳۔ نصاب آسان، سہل اور مختصر ہو تا کہ زیادہ عرصہ کی ضرورت نہ ہو۔ آج دین کی بنیادی اور ضروری معلومات تقریباً دنیا کی ہر زبان میں دستیاب ہے۔

۴۔ کالج اور یونیورسٹیوں میں ایک یا دو سالہ دینی نصاب بنایا جائے، ایک یا دو کلاس مختص کئے جائیں جس میں پہلے سال اسلام کی بنیادی باتوں کو سکھایا جائے اور دوسرے سال ضروری تفصیل سے آگاہ کیا جائے۔

۵۔ عوام اپنے بچوں کو ان عصری درس گاہوں اور اسکولوں میں بھیجیں جہاں دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کا بھی نظم ہو۔

۶۔ گاؤں گاؤں دینی مکتب قائم کئے جائیں، کیونکہ اب بھی بہت سے دیہات اور بے شمار خطے ایسے ہیں جہاں تعلیمی و پسماندگی کا دور دورہ ہے خصوصاً دینی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں ہے، ایسے مقامات کے مسلمانوں کے ایمان واسلام کے تحفظ وبقاء کے لیے دینی مدارس اور مکاتب کا قیام ضروری ہے۔

۷۔ مدارس اور مکاتب کو مزید فعال، متحرک اور وسیع بنایا جائے، تا کہ اسکولوں اور کالجوں میں جانے والے بچوں کو تعلیم دی جا سکے۔

۸۔ مزید دینی تعلیم کے لیے اپنی مسجد کے امام سے رجوع کیا جائے۔

۹۔ دینی علوم سے دلچسپی بڑھانے کے لیے وقتاً فوقتاً اسلامی کوئز اور کمپیٹیشن کا انعقاد کیا جائے۔

چند مشورہ والدین اور سرپرستوں سے:

۱۔ جب آپ اپنے بچوں کو عصری تعلیم دینا چاہتے ہیں تو دینی تعلیم بھی دیجئے۔

۲۔ جب آپ ان کو اس فانی دنیا میں خوش وخرم دیکھنا چاہتے ہیں تو آخرت جو کہ ابدی زندگی ہے وہاں بھی خوش وخرم دیکھنا پسند کیجئے۔

۳۔ جب آپ چاہتے ہیں کہ جب تک آپ صحتمند ہیں، کمار ہے ہیں، اگر مریض یا بوڑھے ہو جائیں تو یہ بچے سہارا بنیں تو آپ کی یہ بھی خواہش ہونی چاہئے کہ مرنے کے بعد یہ بچے آپ کے بتائے ہوئے دینی راستہ پر چلیں جو آپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہوگا اور رفع درجات کا سبب ہوگا۔

۴۔ جب آپ چاہتے ہیں کہ ان کو دنیا میں عزت ملے اور آسمان کی بلندیوں کو چھوئیں تو مرنے کے بعد بھی ان کو جنت کے اعلیٰ درجوں پر دیکھنا پسند کیجئے۔

۵۔ جب آپ یہ چاہتے ہیں کہ دنیا میں وہ ایسے کام نہ کریں جن سے آپ کی بدنامی ہو، پریشانیوں اور جیلوں کا سامنا نہ کرنا پڑے تو آخرت میں یہ بھی پسند کیجئے کہ ان کی وجہ سے آپ پریشان نہ ہوں اور یہ جہنم میں نہ جائیں۔

۶۔ جہاں آپ یہ حرص کرتے ہیں کہ میرا بچہ فلاں فلاں سبجیکٹ لے تو آپ یہ بھی حرص کیجئے کہ اسلامیات کا بھی سبجیکٹ لے، تا کہ تھوڑی بہت اردو، عربی اور دین کی معلومات ہو جائے۔

۷۔ جب آپ کی دنیاوی حرص ولالچ روزانہ بڑھتی چلی جارہی ہے تو یہ بھی حرص کیجئے کہ ہمیں دین نہیں معلوم، اس کو سیکھیں، چاہے وہ جس طرح سے ہو، علمائے دین سے پوچھ کر، مدرسہ میں داخل ہو کر، دینی ورکشاپ میں شامل ہو کر یا تبلیغی جماعت میں نکل کر۔

۸۔ ایک سوال ان روشن خیال لوگوں سے جو مدرسوں میں عصری تعلیم کے خواہاں ہیں کہ وہ اسکولوں میں دینی تعلیم کیوں پسند نہیں کرتے جب کہ اب مدرسوں میں ضروری حد تک عصری تعلیم بھی دی جارہی ہے؟

آپ سب کچھ بنئے مگر اسلام کے ساتھ:

آپ اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو سب کچھ بنایئے، ڈاکٹر، انجینئر، سائنس داں، ریاضی داں، ماہر جغرافیہ، مؤرخ اور مسلمانوں کو ان علوم وفنون کی ضرورت بھی ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ آپ پر یہ بھی فرض ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو خدا پرست بنایئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام اور سنت کا عاشق بنایئے، دین کا خادم اور داعی بنایئے، آخرت کا متمنی اور طالب بنایئے۔ صرف نام کے مسلمان نہیں بلکہ نظر وفکر کے لحاظ سے بھی، عمل وکردار سے بھی، شکل وصورت سے بھی، سیرت وحقیقت کے اعتبار سے بھی ہر لحاظ سے مسلمان ہوں۔۔۔ اب ہمیں کو غور کرنا ہوگا کہ ان کو کیسے تعلیم دیں اور ان کی تربیت کیسے کریں۔

سینے میں رہے راز ملوکانہ تو بہتر — کرتے نہیں محکوم کو تیغوں سے کبھی زیر
تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو — ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب — سونے کا ہمالیہ ہو تو مٹی کا ہے ایک ڈھیر

علامہ اقبالؒ

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

میرا مقصد قطعاً یہ نہیں ہے کہ اسکول یا عصری درسگاہوں کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ اگر ہم مدارس میں عصری علوم کو وہی حیثیت دیں جو دینی علوم کی ہے یا عصری درس گاہوں میں دینی علوم کو وہی حیثیت دیں جو عصری علوم کی ہے تو اس کا نقصان یہ ہوگا کہ مدارس سے نہ تو اچھے عالم وفاضل نکلیں گے اور نہ ہی عصری درس گاہوں سے باصلاحیت گریجویٹ یا ماہر فن۔

اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں مدرسوں میں عصری تعلیم بقدر ضرورت رکھنی ہوگی (جو کہ اب بہت سے مدارس میں رائج ہے) اور عصری درس گاہوں میں دینی علوم بقدر ضرورت، تاکہ دونوں اپنے اپنے مقصد میں پورے طور پر کامیاب ہوں۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ جہاں ایک طرف عالم وفاضل مدارس سے ضروری عصری علوم سے واقف ہو سکے گا وہیں دوسری طرف عصری درس گاہ کا خواندہ دین کے ضروری اور بنیادی علوم سے واقف ہوگا، اس طرح دونوں کے بیچ دوری ختم ہوگی جو ایک ساتھ مل کر دین کی خدمت کرنے میں معاون ومددگار ثابت ہوگی۔

اشرف علی قاسمی، ریاض

ashrafaliqasmi46@yahoo.com

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

دینی وعصری علوم کا تقابلی جائزہ

شفیق احمد قاسمی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ... اما بعد:

جناب صدر، معزز علمائے کرام وقابل احترام حاضرین مجلس.....السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرے مقالہ کا عنوان ''دینی وعصری علوم کا تقابلی جائزہ'' ہے، جس پر مندرجہ ذیل آیت سے ہمیں بھرپور اور واضح رہنمائی حاصل ہوتی ہے:

''یَا أَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِی الصُّدُورِ وَهُدیً وَرَحْمَةٌ لِلْمُومِنِینَ ، قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَالِکَ فَلْیَفْرَحُوْا هُوَ خَیْرٌ مِمَّا یَجْمَعُوْنَ ''(سورۃ یونس : ۵۸-۵۷) ترجمہ: اے لوگوں بالیقین تمہارے پاس نصیحت تمہارے پروردگار کی طرف سے آگئی ہے اور شفا بھی ان بیماریوں کے لیے جو سینوں میں ہوتی ہیں اور ایمان والوں کے حق میں ہدایت اور رحمت آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کے فضل سے اور اس کی رحمت سے، ہاں اس سے چاہیے کہ لوگ خوش ہوں، وہ اس دنیا سے جس کو یہ جمع کر رہے ہیں کہیں بہتر ہے۔

اس آیت میں چار صفات کو بالترتیب بیان کیا گیا ہے ''موعظة من ربکم ''نصیحت وموعظت ہے جو انسان کے ظاہری اعمال کو درست کردے اور اس کا اثر قلب تک پہنچے جو قلب کی ہر اخلاقی وروحانی بیماریوں کے لیے شفا ہو اور ظاہری وباطنی خوبیوں سے آراستہ ہونے کے بعد انسان کو ہدایت نصیب ہوجائے اور چوتھے نمبر پر انسان اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا حق دار ہوجائے جو سب سے بڑی نعمت ہے۔ مزید تاکید آگے ہے کہ آپ کہہ دیجیے کہ یہ یقیناً اللہ کی طرف سے بہت بڑا فضل ورحمت ہے اور انسانوں کو اسی پر خوش ہونا چاہیے۔ دنیاوی علوم اور ڈگریوں کے حصول پر اگر خوشیاں مناتے اور مبارک باد دیتے ہیں تو علوم قرآن یقیناً ایسی بڑی نعمت ہیں جس پر سب سے زیادہ خوشیاں منانے اور مبارک باد دینے کی ضرورت ہے ''وذلك خیر مما یجمعون''

اور اگر تم دنیاوی علوم وفنون اور تگ ودو سے مال ودولت، بینک بیلنس، کاریں، بنگلے اور محل بناتے اور جمع کرتے ہو تو سن لو کہ قرآن سے حاصل ہونے والے فوائد ان سب سے افضل، برتر اور دائمی ہیں، اس لیے یہ زیادہ خوش ہونے اور مبارک باد دینے کا مستحق ہیں۔

گرامی قدر حاضرین مجلس! انسان کو اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں سے مرکب فرمایا ہے، ایک جسم دوسری روح۔ جسم کو زمین سے بنایا اور اس کی ضروریات اور خواہشات کے تمام خزانے زمین میں رکھے ''هُوَ الَّذِی خَلَقَ لَکُمْ مَا فِی الأَرْضِ جَمِیْعاً (سورۃ البقرۃ: ۲۹) وہی وہ ذات ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی تمام چیزیں تخلیق کیں۔ ''لکم'' نے واضح کردیا کہ زمین کی تمام چیزیں انسان کے لیے ہیں۔ دوسری اہم چیز روح ہے جو مکمل طور سے ایک آسمانی تحفہ ہے، ایک فرشتہ آسمان سے لاکر روح کو چار ماہ کے حمل میں داخل کرتا ہے اور ایک فرشتہ یعنی ملک الموت آسمان سے آکر روح کو قبض کرکے لے جاتا ہے۔ چوں کہ یہ ایک آسمانی تحفہ ہے، اس لیے اس کو سنوارنے اور اس کی بیماریوں کے علاج کے لیے (جو دنیاوی اثرات سے پیدا ہوگئی ہیں) آسمان سے ہی روز اول سے ہدایت نامے دے کر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا، انہی آسمانی ہدایت ناموں اور اس کے علوم کو ہم دینی علوم اور جسمانی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے بنائے گئے علوم کو ہم عصری علوم سے تعبیر کرتے ہیں۔

حضرات گرامی قدر! اللہ نے دنیا میں انسانوں اور بہت سے جان داروں کو پیدا فرمایا اور سب کو اپنی حفاظت اور گذر بسر کے لیے ضروری چیزیں عطا کیں، شیر کو اپنی حفاظت اور روزی حاصل کرنے کے لیے مضبوط پنجے دیئے، چڑیوں کو اڑنا، مچھلیوں کو تیرنا، چیونٹیوں کو بل کھودنا سکھایا، بکریوں گایوں کو سینگ عطا کر کے اس کی حفاظت کا سامان مہیا کیا، لیکن انسان کو ان ظاہری چیزوں کے بدلے عقل عطا فرمائی جس کے ذریعہ اس نے نہ صرف یہ کہ اپنی ضروریات کی تکمیل کی بلکہ آگے بڑھ کر عقل اور اس سے حاصل شدہ علوم کے ذریعہ اپنی خواہشات کو بھی حاصل کرتا چلا گیا۔ اس نے اپنی حفاظت اول نوکیلے پتھروں اور لاٹھی ڈنڈوں سے کی، پھر تیر، تلوار، بندوق سے ترقی کر کے بم، میزائیل اور ایٹم بم تک جا پہنچا اور اس کو ہنر اور فن سے ترقی دے کر علم کی حیثیت سے پڑھنے پڑھانے لگا۔ اسی طرح اول درخت کے پتوں سے جسم کو ڈھانکا اور ترقی کرتے کرتے اس کو مستقل ایک فن بنا دیا اور سیکڑوں قسم کے خوبصورت لباسوں کی بے شمار قسمیں ایجاد کیں، گرمی کے الگ اور سردی کے الگ لباس ایجاد کیے، اسی طرح سواری کے لیے پہلے جانوروں کو سدھایا اور پھر سائیکل، موٹر سائیکل، کار، ٹرینیں اور ہوائی جہاز تک سواریاں بنالیں اور اس کو ایک مستقل شعبہ کی حیثیت سے ترقی دی۔ الیکٹرانک لہروں کو قید کر کے پہلے ریڈیو، پھر ٹیلی ویزن، ٹیلی فون، موبائل اور کمپیوٹر (انٹرنیٹ) تک اپنی سہولیات کے لیے ایجاد کیا۔ فلکیاتی علوم کو اپنی محنت کا میدان بنایا تو چاند پر اپنی کمندیں ڈال دیں، سورج کی شعاعوں کو اسیر کر لیا اور اس کے لیے بڑی بڑی یونیورسٹیز، کالجز اور گاؤں گاؤں میں اسکول قائم کیے اور پھر ان دنیاوی علوم کے حصول کے لیے تین (۳) سال کی عمر سے حصول تعلیم کے نام پر بچوں کو جس ڈیوٹی پر لگایا جاتا ہے وہ ڈیوٹی کم وبیش ساٹھ ستر سال کی عمر تک جاری رہتی ہے، کبھی حصول علم کے نام پر تو کبھی سروس کے نام پر اور آج تو اتنا مقابلہ اور کمپٹیشن ہے کہ بچوں سے ان کا بچپنا اور شوخیاں تک چھین لی گئی ہیں، صبح سویرے اسکول، پھر ٹیوشن، پھر ہوم ورک اور نہ جانے کیا کیا ایکٹیوٹیز ہیں کہ نہ پہلے کی طرح بچوں کو آنکھ مچولی کھیلنے کا موقع ہے اور نہ ہی دادی اما سے کوئی خوبصورت سی کہانی سننے کا، نہ ہی خوشیوں میں شریک ہونے کا موقع ہے اور نہ غمی میں حاضری کی گنجائش، ان کے بچپن کی سنہری یادوں کی جگہ ان کی یادداشت میں اگر کوئی بات ہے تو یہ کہ فلاں ماموں کی شادی کے موقع پر میرا ایگزام تھا اور نانی کے انتقال کے موقع پر میرا سائنس کا ٹیسٹ تھا، اس لیے میں حاضر نہ ہوسکا وغیرہ وغیرہ۔

برادران محترم! بلاشبہ عصری وسائنسی علوم نے انسانیت کی خدمت کی ہے، زندگی کو پرتکلف اور آسان بنا دیا ہے، ہر طرف اور شعبۂ حیات میں ضروری راحت وآرام ہی نہیں بلکہ سامان عیش وعشرت سے زندگی کو مالا مال کر دیا ہے، لیکن جوہر حیات اور انسانیت کی اعلیٰ اقدار سے انسان بالکل محروم ہو گیا ہے۔ اس کی روح کو سنوارنے کی طرف چوں کہ کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا، اس لیے ہر طرف ایسے ایسے انسانیت سوز اور روح فرسا واقعات رونما ہونے لگے کہ شیطان بھی انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ ان عصری علوم سے یقیناً ہمیں بہترین ڈاکٹر، ماہر انجینئر، اچھے کلرک، بہتر منتظم اور ایڈمنسٹریٹر (Aministrator) تو حاصل ہو گئے، لیکن انسانیت نواز، دیانت دار، ہمدرد وخیر خواہ انسانوں کا فقدان ہوتا ہی چلا جا رہا ہے۔ ہر طرف مادیت، خودغرضی اور انانیت کا دور دورہ ہے اور ہم ہیں کہ ان روح فرسا واقعات، جا بجا کشت وخون کی گرم بازاری کے باوجود ترقی اور ایڈوانسمینٹ کا نعرہ لگانے سے نہیں چوکتے کہ یہ زمانہ ترقی کا ہے، یہ ڈپلومیٹ کا زمانہ ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ پتھر، لوہے، شیشے نے انسان کی محنت سے ترقی کی ہے، لوہا فضاؤں میں اڑنے لگا، اینٹ اور پتھر کی سو سو منزلہ عمارتیں بن گئیں، لیکن انسان ہے کہ انسانیت کے درجہ سے شرمناک حد تک گر کر حیوانیت ہی نہیں بلکہ اس سے بھی گیا گذرا ہو گیا۔ قرآن نے ''اُولٰئِكَ كَالأنعام بل هم أضل'' کہہ کر اسی کی طرف نشاندہی کی ہے۔ ایٹم بم، مہلک جراثیم اور زہریلی گیس انسان نے درندوں اور سانپ بچھوؤں کو مارنے کے لیے نہیں بلکہ انسانوں، معصوم بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے کے لیے بنائی ہیں، بلکہ تمام درندوں نے ماضی میں جتنے انسانوں کا اب تک قتل کیا ہوگا معمولی جھڑپوں اور اپنے ملک کے

معمولی فساد میں اس سے زیادہ انسان قتل ہو جاتے ہیں۔

محترم حضرات! میں یہ نہیں کہتا کہ عصری علوم حرام ہیں یا اس سے صرف تباہیاں اور بربادیاں ہی جنم لیتی ہیں، بلکہ میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ ہر چہار جانب جب کہ مادیت اور دنیاوی علوم کا دور دورہ ہے اور ہر ایک اس کے مہلک اثرات سے متاثر ہے تو ہم وارثین علوم نبوت کی ذمہ داری اور بڑھ جاتی ہے کہ ہم دینی علوم کو اور زیادہ طاقت اور گرم جوشی سے لے کر کھڑے ہوں

حدی را تیز تر می خواں چوں محمل را گراں بینی

نوا را تلخ تر می زن چوں ذوق نغمہ کم یابی

بوجھ کو گراں دیکھو تو حدی خوانی اور لے کو تیز کر دو، اسی طرح ذوق نغمہ اگر کم محسوس کرو تو اپنی نوا اور اشعار میں گرمی اور شیرینی پیدا کرو۔

محترم علمائے کرام! کسی بھی علم وفن کی اہمیت اس کے مقاصد اور اس پر مرتب ہونے والے نتائج سے ہوتی ہے، دنیاوی علوم وفنون کا مقصد جسمانی راحت وآرام اور سامان تعیش کی فراہمی ہے اور دینی علوم کا مقصد روح اور قلب کو سنوارنا ہے، اس لیے وہ بہر حال اعلیٰ اور مقدم ہے۔ علوم آسمانی کے فقدان کی وجہ سے دنیا میں آج افراتفری اور دل دہلا دینے والے واقعات بھی اس کا تقاضہ کرتے ہیں کہ ہم علوم نبوت کو خود گلے لگائیں اور ممکن حد تک اس کی ترویج واشاعت میں کوئی فروگذاشت نہ ہونے دیں۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا

لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

انبیاء کرام نے روح کو سنوارنے اور اس کے تزکیہ کا کام کیا، خوف خدا، آخرت میں حساب وکتاب اور ہر چھوٹے بڑے عمل کی جزا کا تصور پیش کیا ''الدین النصیحة'' فرما کر یہ بتلایا کہ خیر خواہی ہی دین ہے، خواہ وہ انسانوں کے ساتھ ہو یا جانوروں کے ساتھ، مسلمانوں کے ساتھ ہو یا کافروں کے ساتھ، عورتوں کے ساتھ ہو یا مردوں کے ساتھ، نوجوانوں کے ساتھ ہو یا بوڑھوں کے ساتھ، طاقتور کے ساتھ ہو یا کمزوروں کے ساتھ۔ اس تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایثار وہمدردی، امانت وتقویٰ کے ایسے ایسے دل کش ورح افزا واقعات پیش آئے کہ فرشتوں کی روح بھی رشک کرنے لگی۔ مہمانوں کے لیے کہیں چراغ بجھا دینا تو کہیں مسلسل فاقہ کر کے پہلے دن یتیم کو، دوسرے دن مسکین کو اور تیسرے دن قیدی کو کھانا کھلا دینا اور ذاتی ضرورتوں میں سرکاری تیل کے چراغ اور قلم کے استعمال تک سے پرہیز کرنا یہ اور اس طرح کے ہزاروں واقعات سے تاریخ کے اوراق روشن ہیں۔ آخر وہ کون سا جذبہ تھا جس نے اورنگ زیب عالم گیر کو ٹوپی بن کر اور کتابت قرآن کی آمدنی پر گذارہ کرنے پر مجبور کیا تھا جس کا اعتراف آج ایک متعصب ہندو تاریخ داں کو بھی ہے۔ آخر وہ کس تعلیم کا نتیجہ تھا جس کی وجہ سے جہاں گیر نے اپنی محبوب بیوی زیب النساء کے قتل کا فیصلہ کروایا تھا؟ مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک دھوبی نے ٹکٹکی باندھ کر زیب النساء کو دیکھ لیا تو غیرت نسوانی نہیں بلکہ غیرت مسلمانی میں آکر اس نے گولی چلا دی اور دھوبی وہیں مر گیا۔ کیس جہاں گیر کی عدالت میں پہنچا تو اس نے ملکہ کے قتل کا فیصلہ صادر کر دیا، پورے محل اور ریاست میں تہلکہ مچ گیا، بعد میں کچھ لوگوں نے کوشش کر کے مقتول کے ورثاء کو خوں بہا لینے پر راضی کر لیا، تب کہیں جا کر ملکہ کی جان بچی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عصری علوم وفنون کے حصول کے ساتھ عزم وحوصلہ سے دینی علوم کو حاصل کرنے، اخلاص واحترام کے ساتھ اس پر عمل کرنے اور زمانے کے تقاضوں کے مطابق اس کی نشر واشاعت کی توفیق عطا فرمائے۔

شفیق احمد قاسمی، ریاض

صدر جلسہ، معزز مہمان خصوصی جناب ڈاکٹر عزیر احمد قاسمی صاحب اور سامعین کرام السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،،،

اسلام اپنے نقطۂ آغاز سے ہی اعدائے اسلام کی معاندانہ سرگرمیوں کا ہدف بنتا رہا ہے، مشرکین عرب ہوں یا یہود و نصاریٰ سب نے اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے، مگر! اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دباؤ گے

یہود و نصاریٰ کی اسلام مخالف حرکتیں عرصۂ دراز سے برابر جاری ہیں، ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی صاحب کی تحقیق کے مطابق صرف جرمن میں تقریباً ۸۰ تنظیمیں ۲۰ سال کے پروجیکٹ پر کام کر رہی ہیں۔ یورپ میں صنعتی انقلاب کے بعد سے انہوں نے اپنی ایجادات واختراعات کے ذریعہ اسلامی ممالک پر اپنا سکہ جمانے کے لئے اپنی یونیورسٹیوں میں عربی زبان وعلوم اسلامیہ کے شعبوں کی طرف توجہ مبذول کی۔ پڑھنے اور پڑھانے والے اکثر و بیشتر مستشرقین ہی ہیں، چنانچہ وہ قرآن وحدیث کی حفاظت وتدوین پر مختلف قسم کے اعتراضات کے ذریعہ قرآن وحدیث کو مشکوک ثابت کر کے اسلام کی بنیاد کو ہلانے اور علماء کرام اور عوام کے درمیان مضبوط رشتہ کو توڑنے کے لیے علماء کرام اور مدارس اسلامیہ کی غلط امیج لوگوں کے سامنے پیش کرنے کی ناپاک کوشش کر رہے ہیں۔ مستشرقین کے جھوٹ کے پلندوں پر مبنی ریسرچ کا جواب علماء کرام نے دیا ہے، مگر کسی نہ کسی حد تک مستشرقین کامیاب بھی ہوئے ہیں، چنانچہ مسلمانوں کی ایک جماعت ان کے افکار سے متاثر ہونے لگی ہے۔ موضوع کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے لجنہ علمیہ نے علم کی روشنی پر ایک ورکشاپ منعقد کرنے کا فیصلہ کیا تا کہ لوگوں کے سامنے علوم قرآن وسنت کی اہمیت، علماء کرام کے مقام اور ان کی عظیم خدمات کو ذکر کیا جائے، چنانچہ اس ورکشاپ میں سات مختصر مقالے پیش کئے گئے۔

جناب مولانا محمد شعیب قاسمی صاحب نے (حصول علم کی اہمیت) کے موضوع پر اپنا مقالہ پیش فرمایا جس میں دینی تعلیم کے حصول کی ترغیب کے ساتھ عصری علوم کو بھی حاصل کرنے کی طرف توجہ مبذول کرائی اس شرط کے ساتھ کہ دینی علوم کے خلاف نہ ہو۔۔۔ دوسرا مقالہ جناب مولانا محمد ارشد قاسمی صاحب نے (علماء کا مقام ومرتبہ قرآن وحدیث کی روشنی میں) پڑھا جس میں موصوف نے علماء کا مقام ومرتبہ اور ان کی زریں خدمات کو خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے اور لوگوں سے علماء کرام کے احترام پر زور دیا۔۔۔ تیسرا مقالہ جناب مولانا جاوید اختر قاسمی صاحب نے (برصغیر کے علماء کی قرآن وحدیث کی خدمات) کے موضوع پر پیش فرمایا۔ مضمون بہت ساری معلومات پر مشتمل تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقالہ نگار نے رات ودن کی محنت کے بعد اس مقالہ کو قلمبند کیا ہے۔ موصوف نے اس ورکشاپ کو کامیاب بنانے میں بھی اہم رول ادا کیا ہے۔۔۔ جناب مولانا عبدالرحمٰن عمری صاحب نے (تعلیم نسواں اور بچوں کی تربیت) کے موضوع پر اپنا مقالہ پیش فرمایا۔ موضوع کی اہمیت کے مدنظر انہیں زیادہ وقت مطلوب تھا مگر موصوف نے مختصر وجامع مقالہ میں بہت کچھ تحریر کر دیا ہے۔ بچوں کی تربیت میں ہم عموماً کوتاہی کرتے ہیں۔ اس پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔۔۔ پانچواں مقالہ جناب مولانا عبدالرزاق قاسمی صاحب نے (مدارس اسلام کے قلعے ہیں) کے موضوع پر پیش فرمایا۔ موصوف نے لجنہ علمیہ کی ورکشاپ میں پہلی مرتبہ مقالہ پڑھا ہے۔ مقالہ کے مواد سے معلوم ہو رہا ہے کہ موصوف خداداد صلاحیتوں کے مالک ہیں۔۔۔ جناب مولانا اشرف علی قاسمی صاحب نے (عصری درسگاہوں میں دینی تعلیم کی ضرورت) کے موضوع پر مقالہ پیش فرمایا۔ موصوف نے اچھے پیرائے میں ذکر کیا ہے کہ علماء کرام عصری تعلیم کے مخالف نہیں ہیں، لیکن ضروری ہے کہ اس کے ساتھ دینی تعلیم کا بھی مکمل انتظام کیا جائے اور اس کے لیے موصوف نے چند تجاویز بھی پیش فرمائی ہیں۔۔۔ آخری مقالہ جناب مولانا شفیق احمد قاسمی صاحب نے (دینی وعصری علوم۔ ایک تقابلی مطالعہ) کے موضوع پر پیش فرمایا اور انہوں نے دونوں تعلیم کا تقابلی مطالعہ پیش فرما کر عرض کیا ہے کہ اصل علم قرآن وحدیث کا ہے، جبکہ ضروری دینی تعلیم کے ساتھ عصری علوم کو بھی حاصل کرنا چاہئے۔

میں لجنہ علمیہ کی جانب سے تمام مقالہ نگاروں خاص کر مولانا جاوید اختر قاسمی صاحب اور جناب محمد سلیم صاحب کا شکر گزار ہوں جنہوں نے مقالوں کو ٹائپ اور چیک کرنے نیز حسب ضرورت حذف واضافات کرنے میں اپنی خدمات پیش فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ تمام مقالہ نگاروں کو اجر عظیم عطا فرمائے اور ہم سب کو ان اچھی باتوں پر عمل کرنے والا بنائے۔ خواتین وحضرات! میں نہ علم کے اعتبار سے اور نہ ہی عمر کے اعتبار سے اس مقام پر ہوں کہ ان قیمتی مقالوں پر اپنا تبصرہ پیش کروں، مگر ان تمام مقالوں کا خلاصہ اپنی زبان میں پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ اَجْمَعِین۔

علم کی روشنی، مدارس کا نصابِ تعلیم اور عظیم خدمات

محمد نجیب قاسمی

علم کی اہمیت قرآن وحدیث کی روشنی میں:

انسان نے جب سے شعور کی آنکھیں کھولی ہیں علم کی اہمیت مسلم رہی ہے، کائنات کی تمام مخلوقات پر حضرت انسان کی برتری علم کی وجہ سے ہی ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی پہلی وحی کی ابتداء ''اِقْــرَأ'' کے لفظ سے فرما کر قیامت تک آنے والے انسانوں کو زیورِ علم سے آراستہ ہونے کا پیغام دیا اور ''بِــاسْـمِ رَبِّکَ الَّـذِیْ خَـلَقَ ''اوراس کے بعد کی آیات سے اُس علم کے متعلق وضاحت بھی فرمادی کہ اصل علم وہ ہے جس کے ذریعہ انسان اپنے حقیقی خالق ومالک ورازق کو پہچانے جس نے ایک ناپاک قطرہ سے حضرت انسان کو ایک خوبصورت شکل میں پیدا فرمایا۔غرض یہ کہ پہلی وحی سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ تعلیم دی کہ علم کا سب سے پہلا اور بنیادی مقصد مولائے حقیقی کو مان کر رب چاہی زندگی گزارنا ہے۔

اسی طرح ''ن وَالْـقَـلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْن ''(سورۃ القلم) میں اللہ تعالیٰ نے قلم کی قسم کھا کر لکھنے پڑھنے کی خاص اہمیت کو رہتی دنیا تک واضح کردیا۔''وَالْقَلَمِ ''میں قلم سے مراد تقدیر کا قلم ہے اور ''وَمَا یَسْطُرُوْن '' سے وہ فیصلے مراد ہیں جو فرشتے لکھتے ہیں۔معلوم ہوا کہ اصل علم وہ ہے جو تقدیر پر ایمان کی تعلیم دیتا ہو اور ظاہر ہے کہ قرآن وحدیث اوران دونوں سے ماخوذ علوم میں ہی تقدیر پر ایمان لانے کی تعلیمات ملتی ہیں۔

سورۃ الزمر آیت نمبر(۹) میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:''قُـلْ هَـلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ''کیا اہل علم اور نہ جاننے والے برابر ہوسکتے ہیں؟ مذکورہ آیت کے ابتدائی حصہ اوراس سے قبل آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ کیا کافر شخص اس مؤمن کے برابر ہوسکتا ہے جو رات کی گھڑیوں میں عبادت کرتا ہے اور آخرت کی زندگی کو سامنے رکھ کر یہ دنیاوی وفانی زندگی گزارتا ہے۔اس کے بعد آنے والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''قُـلْ یَـا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّکُمْ '' اے میرے ایمان والے بندو! اپنے رب سے ڈرو۔معلوم ہوا کہ جاننے والے کی نہ جاننے والے پر فضیلت اس وقت ہوگی جب کہ جاننے والا اللہ کو مان کر زندگی گزارنے والا بنے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:''یَـرْفَـعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ آمَنُوا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَات ''(سورۃ المجادلۃ: ۱۱)تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے اللہ ان کے درجوں کو بلند کرے گا۔معلوم ہوا کہ علم اسی صورت میں باعثِ عزت ورفعت ہے جب کہ جاننے والا ایمان کی عظیم دولت سے مالا مال ہو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے:''وَلَا تَـعْـجَـلْ بِـالْـقُرْآنِ قَبْلَ أن یُقْضٰی إلَیْکَ وَحْیُهُ وَقُلْ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْماً ''(سورۃ طٰہٰ: ۱۱٤)اے پیغمبر! جب قرآن وحی کے ذریعہ نازل ہورہا ہو تو اس کے مکمل ہونے سے پہلے جلدی نہ کیا کرو اور یہ دعا کرتے رہا کرو کہ ''اے میرے پروردگار! میرے علم میں ترقی عطا فرما''۔ اس آیت سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ علم ایک ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں اور انسان کو ہر وقت علم میں ترقی کی کوشش اور دعا کرتے رہنا چاہیے خواہ وہ علم کی بلندیوں پر پہنچ جائے، وہیں یہ رہنمائی بھی ملی کہ قرآن وحدیث اوران دونوں سے ماخوذ علم ہی اصل علم ہے۔

علم کی اہمیت کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے علمائے کرام کے متعلق یہ اعلان فرمادیا:''إنَّـمَـا یَـخْشَی اللّٰـهَ مِنْ عِبَـادِهِ الْـعُـلَـمَـاءُ ''

(سورۃ الفاطر:۲۸) اللہ سے اس کے بندوں میں سے وہی لوگ ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔ ابتداء اسلام سے اب تک جتنی بھی مشہور و معروف تفسیریں تحریر کی گئی ہیں ان میں تحریر ہے کہ اس مذکورہ آیت میں علماء سے مراد وہ علماء ہیں جو اللہ کے کلام کو پڑھتے پڑھاتے ہیں، اللہ کی ذات وصفات کا علم رکھتے ہیں، اللہ کی مخلوقات میں غور وفکر کر کے اللہ جل جلالہ کی عظمت، کبریائی و بڑائی کا اعتراف کرتے ہیں اور ذات باری سے خوف وخشیت رکھتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اسی علم سے دونوں جہاں میں بلند واعلیٰ مقام ملے گا جس کے ذریعہ اللہ کا خوف پیدا ہو اور ظاہر ہے کہ یہ کیفیت قرآن وحدیث اور ان دونوں علوم سے ماخوذ علم سے ہی پیدا ہوتی ہے۔

جس طرح باری تعالیٰ نے علم اور علماء کی خاص فضیلت اپنے پاک کلام میں ذکر فرمائی ہے، رحمۃ للعالمین حضور اکرم ﷺ نے بھی علم کی خاص اہمیت وفضیلت کو بار بار ذکر فرمایا ہے، میں صرف ایک حدیث پیش کر رہا ہوں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص طلب علم کی راہ میں چلتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے اور جو لوگ جب کبھی کسی خانۂ خدا میں جمع ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت کریں اور اس کے درس وتدریس میں مشغول ہوں تو ان پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے پاس والوں میں ان کا ذکر کرتا ہے۔ (صحیح مسلم) حضور اکرم ﷺ نے اپنے اس مختصر مگر جامع کلام میں فرمایا کہ علم اسی وقت قابل قدر وباعث رحمت ہوگا جب کہ وہ جاننے والے کو جنت تک پہنچانے والا ہو۔ اس کے بعد قرآنی حلقوں کا ذکر فرما کر حضور اکرم ﷺ نے واضح طور پر فرمادیا کہ اصل علم وہ ہے جو قرآنی تعلیمات پر مشتمل ہو۔

خواتین وحضرات!

انسان تین ذرائع میں سے کسی ایک ذریعہ سے علم حاصل کرتا ہے، ایک انسان کے حواس یعنی آنکھ، کان، منہ اور ہاتھ پاؤں، دوسرا ذریعہ عقل اور تیسرا ذریعہ وحی ہے۔ انسان کو بہت سی باتیں اپنے حواس کے ذریعہ معلوم ہوتی ہیں، جب کہ بہت سی عقل کے ذریعہ اور جو باتیں ان دونوں ذرائع سے معلوم نہیں ہوسکتیں ان کا علم وحی کے ذریعہ عطا ہوتا ہے۔ حواس اور عقل کے ذریعہ حاصل شدہ علم میں غلطی کے امکان ہوتے ہیں، لیکن وحی کے ذریعہ حاصل شدہ علم میں غلطی کے امکان بالکل نہیں ہوتے، کیوں کہ یہ علم خالق کائنات کی جانب سے انبیاء کے ذریعہ انسانوں کو پہنچتا ہے۔ غرض وحی الٰہی انسان کے لیے وہ اعلیٰ ترین ذریعہ علم ہے جو اسے اس کی زندگی سے متعلق ان سوالات کے جواب مہیا کرتا ہے جو عقل وحواس کے ذریعہ حل نہیں ہوسکتے، یعنی صرف عقل اور مشاہدہ انسان کی رہنمائی کے لیے کافی نہیں ہے، بلکہ اس کی ہدایت کے لیے وحی الٰہی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ چوں کہ وحی عقل اور مشاہدے سے بڑھ کر علم ہے، لہٰذا ضروری نہیں کہ وحی کی ہر بات کا ادراک عقل سے ہوسکے۔ اسلام نے پہلے دونوں ذرائع سے حاصل ہونے والے علم کے حصول سے منع نہیں کیا ہے بلکہ ان علوم کو بھی حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے، مگر ان دونوں ذرائع سے حاصل ہونے والا علم یقینی نہیں بلکہ اس میں غلطیوں کے امکانات ہوتے ہیں، جبکہ وحی یعنی قرآن وحدیث کا علم یقینی ہے۔

ہمارا یہ ایمان ہے کہ علوم قرآن وسنت سب سے اعلیٰ علم ہیں، لیکن ہمیں حواس خمسہ اور عقل کے ذریعہ بھی علم حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے، تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ مسلمانوں نے ہر دور میں تعلیم کے ہر میدان میں اپنا پرچم بلند رکھا ہے، اس کے ہر گوشے کو اپنی ناقابل فراموش خدمات سے منور کیا ہے۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ عصر حاضر میں مسلمانوں کی بڑی تعداد نے قرآن وحدیث کی تعلیم کو بھی ترک کر دیا اور حواس خمسہ وعقل کے ذریعہ حاصل ہونے والے علوم میں بھی بہت پیچھے رہ گئے، چنانچہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنا کھویا ہوا وقار دوبارہ حاصل کریں جس کے لیے ہمیں اپنا رشتہ قرآن وحدیث سے مضبوطی کے ساتھ جوڑ کر دیگر علوم میں بھی سبقت حاصل کرنی ہوگی۔

مدارس کا قیام:

آیئے سب سے پہلے ان مساجد ومدارس، دینی اداروں وخانقاہوں وتربیت گاہوں اور قضاء وفتویٰ کی خدمات کرنے والے اداروں کی بات کرتے ہیں جو اپنی دینی خدمات میں مصروف ہیں اور ملت اسلامیہ کی رہبری ورہنمائی کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔ مدارس کے قیام کی ابتداء چوتھی صدی ہجری کے آخر سے منسوب کی جاتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں میں دینی تعلیم کے اہتمام کا سلسلہ عہد نبوی ہی میں شروع ہو چکا تھا۔ دارارقم، درس گاہ مسجد قبا، مسجد نبوی اور اصحاب صفہ کے چبوترہ میں تعلیم وتربیت کی مصروفیات اس کے واضح ثبوت ہیں۔ چوتھی وپانچویں صدی ہجری کی معروف دینی درس گاہوں میں مصر کا جامعہ ازہر، اصفہان کا مدرسہ ابوبکر الاصفہانی، نیشاپور کا مدرسہ ابوالاسحاق الاسفرائینی اور بغداد کا مدرسہ نظامیہ شامل ہیں۔ غرضیکہ مدارس کی تاریخ وتاسیس کی کڑی عہد رسالت سے جا کر ملتی ہے اور مدارس میں پڑھائی جانے والی کتب حدیث کی سند کا سلسلہ حضور اکرم ﷺ تک پہنچتا ہے۔ جنوبی ہند کے ساحلی علاقوں (مالابار) میں عرب تاجروں کی نوآبادیات میں مساجد کا قیام ودینی تعلیم کے اہتمام کا سلسلہ ساتویں صدی عیسوی میں شروع ہو چکا تھا، لیکن برصغیر میں مدارس کا قیام دوسری صدی ہجری یعنی آٹھویں صدی عیسوی میں ہوا۔ جہاں تک شمالی ہند میں مدارس کے داغ بیل پڑنے کا تعلق ہے تو اس کی ابتدا ترکوں کی فتوحات کے زمانہ میں ہوگئی تھی، مگر ۱۲۰۶ عیسوی میں جب دہلی میں مسلم حکومت قائم ہوئی تو دہلی کے علاوہ دوسرے شہروں وقصبوں ودیہاتوں میں کثیر تعداد میں مکاتب ومدارس قائم ہوئے۔

مدارس کے قیام کا مقصد:

مدارس کے قیام کا بنیادی مقصد کتاب وسنت اور ان سے ماخوذ علوم وفنون کی تعلیم وتعلم، توضیح وتشریح، تعمیل واتباع، تبلیغ ودعوت کے ساتھ ایسے رجال کار پیدا کرنا ہے جو اس تسلسل کو قائم وجاری رکھ سکیں، نیز انسانوں کی دنیاوی زندگی کی رہنمائی کے ساتھ ایسی کوشش کرنا ہے کہ ہر ہر انسان جہنم سے بچ کر جنت میں جانے والا بن جائے۔

مدارس میں کیا پڑھایا جاتا ہے؟

اب آیئے ایک نظر اس پر بھی ڈالیں کہ مدارس میں کیا پڑھایا جاتا ہے۔ مدارس میں یہ علوم پڑھائے جاتے ہیں: علم تجوید، علم تفسیر، علم اصول تفسیر، علم حدیث، علم اصول حدیث، علم فقہ، علم اصول فقہ، علم میراث، علم عقائد، علم نحو، علم صرف، علم منطق، علم فلسفہ، علم بلاغت اور زمانہ کی ضرورت کے مطابق بعض دیگر علوم۔

مدارس کے نصاب میں تبدیلی:

وقتاً فوقتاً مدارس کے نصاب میں تبدیلی کی بات اٹھتی رہتی ہے، اس پر غور وخوض کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ مدارس میں نصاب کی تبدیلی کے لیے عموماً تین موقف ہیں:

ایک موقف ان حضرات کا ہے جو اس نصاب کو موجودہ زمانے میں بے کار سمجھتے ہیں، ایسے لوگوں کا خیال ہے کہ مدارس کے نصاب میں بڑے پیمانے پر تبدیلی کرنے کی ضرورت ہے جس میں عصری علوم اس حد تک شامل کیے جائیں کہ مدارس کے فضلاء کالج اور یونیورسٹیوں کے فارغین کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر دنیاوی زندگی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی تگ ودو میں لگ جائیں۔ یہ عموماً وہ حضرات ہیں جنہوں نے مدارس میں نہ تو باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہے اور نہ ہی مدارس کے نصاب سے بخوبی واقف ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ یہ حضرات ایک یا دو فیصد

طلبہ جو مذہبی تعلیم حاصل کر رہے ہیں ان کی دنیاوی تعلیم کی تو فکر کر رہے ہیں، مگر ۹۸ یا ۹۹ فیصد بچے جو عصری تعلیم کے شعبوں میں ہیں ان کی دینی تعلیم و تربیت کی کوئی فکر نہیں کرتے۔

ایک طبقہ وہ ہے جو اس نصاب میں ادنی سی تبدیلی بھی گوارہ نہیں کرنا چاہتا بلکہ جو لوگ تبدیلیوں کا مشورہ دیتے ہیں ان کی رائے پر توجہ بھی دینے کے لیے تیار نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ دونوں ہی نقطۂ نظر غلط ہیں، پہلا اس لیے کہ مدارس کی تعلیم کا بنیادی مقصد علوم قرآن وسنت کی ترویج، اشاعت اور حفاظت ہے، نیز امت محمدیہ کی دنیاوی زندگی میں رہنمائی کے ساتھ اس بات کی کوشش وفکر کرنا ہے کہ امت محمدیہ کا ہر ہر فرد اخروی زندگی میں کامیابی حاصل کرے۔ اخروی زندگی کو نظر انداز کر کے ڈاکٹر یا انجینئر یا ڈیزائنر بنانا مدارس کے قیام کا مقصد نہیں۔ جس طرح دنیاوی تعلیم میں بھی انجینئرنگ کرنے والے طالب علم کو میڈیکل کی تعلیم نہیں دی جاتی، وکالت کی تعلیم حاصل کرنے والے طالب علم کو نقشہ بنانا نہیں سکھایا جاتا، کیونکہ میدان مختلف ہیں، اسی طرح قرآن وحدیث کی تعلیم میں تخصص کرنے والے طالب علم کو انگریزی وحساب وسائنس وغیرہ کے سبجیکٹ ضمناً ہی پڑھائے جاسکتے ہیں۔ دوسرا طبقہ بھی غلط سوچ رکھتا ہے کیوں کہ مدارس کے بنیادی مقصد (قرآن وحدیث کی تعلیم) پر قائم رہتے ہوئے زمانہ کی ضرورت اور اس کے تقاضوں کے مطابق بعض علوم کا حذف واضافہ کیا جانا چاہئے۔

ان دونوں نقطۂ نظر کے درمیان ایک معتدل نقطۂ نظر یہ بھی ہے کہ مدارس اسلامیہ کو موجودہ رائج نظام کے تحت ہی چلنا چاہئے، یعنی علوم قرآن وسنت کو ہی بنیادی طور پر پڑھایا جائے اور ظاہر ہے کہ قرآن وحدیث کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا، لہٰذا قرآن وحدیث کی وہی کتابیں پڑھائی جائیں جن کے تعلیم وتعلم کا سلسلہ سینکڑوں سالوں سے جاری ہے، مگر تفسیر قرآن، شرح حدیث اور فقہ وغیرہ پر کچھ کتابیں دور حاضر کے اسلوب میں ازسر نو مرتب کر کے شامل کی جائیں، نیز نحو وصرف وعربی ادب وبلاغت پر آسان ومختصر کتابیں تحریر کی جائیں، منطق اور فلسفہ جیسے علوم کی بعض کتابوں کو حذف کر کے انگریزی، حساب اور کمپیوٹر جیسے جدید علوم پر مشتمل کچھ کتابیں نصاب میں شامل کی جائیں۔ غرضیکہ علوم کتاب وسنت کی بالادستی کو قائم رکھتے ہوئے تقاضائے وقت کے مناسب بعض علوم وفنون کا اضافہ کر لیا جائے، لیکن مدارس کے نصاب میں اس نوعیت کی تبدیلی نہ کی جائے کہ اصل مقصد ہی فوت ہو جائے جیسا کہ شاعر مشرق علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ان مکتبوں کو اسی حال میں رہنے دو، غریب مسلمانوں کے بچے کو انہی مدارس میں پڑھنے دو، اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا میں انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں، اگر ہندوستانی مسلمان ان مدرسوں کے اثر سے محروم ہو گئے تو بالکل اس طرح ہوگا جس طرح اندلس میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے باجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈرات اور الحمراء کے نشانات کے سوا اسلام کے پیروؤں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا، ہندوستان میں بھی آگرہ کے تاج محل اور دلی کے لال قلعے کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا۔ (ماہنامہ دارالعلوم دسمبر ۹۴ بحوالہ دینی مدارس)

اسی طرح مشہور ومعروف عالم دین علامہ سید سلیمان ندویؒ نے فرمایا: ہم کو یہ صاف کہنا ہے کہ عربی مدرسوں کی جتنی ضرورت آج ہے، کل جب ہندوستان کی دوسری شکل ہوگی اس سے بڑھ کر ان کی ضرورت ہوگی، وہ ہندوستان میں اسلام کی بنیاد اور مرکز ہوں گے، لوگ آج کل عہدوں اور ملازمتوں کے پھیر اور ارباب اقتدار کی چاپلوسی میں لگے ہوں گے اور یہی دیوانے ملا آج کی طرح کل بھی ہوشیار ہوں گے۔ اس لیے یہ مدرسے جہاں بھی ہوں جیسے بھی ہوں ان کو سنبھالنا اور چلانا مسلمانوں کا سب سے بڑا فرض ہے۔ (ماہنامہ فکر ولی اللہ مارچ ۲۰۰۳)۔

مدارس کی چند اہم خدمات: مدارس اسلامیہ کی درجنوں خدمات ہیں یہاں صرف ایک درجن خدمات پیش ہیں:

۱) قرآن وحدیث کی خدمت میں مدارس نے جو کردار ادا کیا ہے وہ تاریخ کا ایک ناقابل فراموش حصہ ہے، برصغیر میں قرآن وحدیث کی مختلف طریقوں سے بالواسطہ یا بلاواسطہ خدمت انجام دینے میں انہیں مدارس اسلامیہ کا رول ہے اور یہ وہ شرف ہے جو کسی اور ادارہ کو نصیب نہیں ہوا، اگر یہ کہا جائے کہ برصغیر میں مدارس اسلامیہ کے وجود کے بغیر علوم قرآن وحدیث کا فروغ ناممکن تھا تو بالکل مبالغہ نہ ہوگا۔

۲) انہی مدارس کے فارغین میں وہ لوگ بھی ہیں، جنہوں نے اپنی دوراندیشی اور بالغ نظری کا ثبوت دیتے ہوئے مسلمانوں کی عصری تعلیم کے لیے اسکول، کالج اور یونیورسٹی کی بنیاد رکھی، چنانچہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد ''شیخ الہند'' مولانا محمود الحسنؒ نے ہی رکھی تھی، مولانا محمد علی جوہرؒ نے اس ادارہ کی نشوونما میں اہم رول ادا کیا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے لئے علامہ شبلی نعمانیؒ کی عظیم خدمات کو تاریخ نظرانداز نہیں کرسکتی۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے علماء ہیں جنہوں نے نہ صرف مسلمانوں کی دینی تعلیم کی طرف توجہ دی، بلکہ ان کو عصری تعلیم سے بھی آراستہ کرنے کے لیے غیر سرکاری اسکولوں اور کالجوں کو قائم کیا۔ عصر حاضر میں مفکر ملت مولانا محمد ولی رحمانی دامت برکاتہم نے ''رحمانی ۳۰'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہے، یہ ادارہ روز اول سے ہی اپنے عزائم ومقاصد کی طرف کامیابی کے ساتھ رواں دواں ہے چنانچہ بے شمار طلبہ اس ادارہ سے استفادہ کرکے اپنے ملک اور قوم کا نام روشن کررہے ہیں۔ اسی طرح مولانا غلام محمد وستانوی صاحب کی خدمات تعلیم سے ادنی سی واقفیت رکھنے والے شخص سے بھی چھپی ہوئی نہیں ہیں۔

۳) مدارس کا ایک خاص امتیاز یہ ہے کہ اس نے اپنا فیض پہنچانے میں کسی خاص طبقہ یا کسی خاص جماعت کو دوسرے طبقہ یا جماعت پر فوقیت نہیں دی بلکہ اس نے اپنے دروازے امیر اور غریب سب کے لیے یکساں طور پر کھلے رکھے، اتنا ہی نہیں بلکہ غریبوں میں تعلیم کو عام کرنے میں سب سے بڑا کردار مدارس ہی کا ہے، چنانچہ اگر سروے کیا جائے تو یہی نتیجہ نکلے گا کہ آج اسکولوں کی بہ نسبت مدارس میں غریب طلبہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

۴) دیہی علاقوں میں تعلیم وتعلم کا نظم جتنا مدارس نے کیا ہے اتنا کسی دوسرے سرکاری یا غیر سرکاری اداروں نے نہیں کیا، مدارس کے فارغین نے اسلامی تعلیم کو عام کرنے، مسلمانوں سے جہالت کو دور کرنے اور مسلم گھرانوں کو علم کی روشنی سے منور کرنے کے لیے نہ صرف بڑے شہروں یا قصبوں پر توجہ دی ہے بلکہ گاؤں اور دیہاتوں کا بھی رخ کیا ہے، تاکہ کوئی بھی گوشہ علم دین سے خالی نہ رہ جائے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ بنگال اور یوپی کے بعض علاقوں میں مدارس میں غیر مسلم بچے بھی تعلیم حاصل کررہے ہیں۔

۵) اردو زبان کی ترویج واشاعت میں مدارس نے بھرپور حصہ لے کر اردو زبان کی خاموش خدمت کی ہے اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ مدارس اور مکاتب کی تعداد لاکھوں میں ہے اور ان کا ذریعہ تعلیم اردو ہے۔ اسلامیات کا بڑا سرمایہ اردو زبان میں ہے بلکہ اردو زبان میں سب سے زیادہ کتابیں اسلامیات کی ہی ہیں۔

۶) ہندوستان کی آزادی کے حوالے سے دیکھا جائے تو اس میں بھی مدرسوں کا ایک اہم کردار سامنے آتا ہے، چنانچہ ہندوستان کو آزاد کرانے میں جن مسلمانوں نے نمایاں کردار ادا کیا ہے ان میں سے ایک بڑی تعداد مدارس کے فضلاء کی تھی۔

۷) بڑے بڑے شہروں اور قصبوں میں مدارس کے زیر انتظام دارالقضاء اور دارالافتاء قائم کئے گئے ہیں جہاں مسلمانوں کے عائلی مسائل قرآن وسنت کی روشنی میں حل کئے جاتے ہیں۔ دارالافتاء کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ لاکھوں لوگ عدالتوں اور کورٹ کچہریوں کا چکر لگانے سے بچ

گئے۔اسی کے ساتھ دوسرا اہم فائدہ اصحاب معاملہ کو یہ ہوا کہ کسی معاوضہ کے بغیر دارالافتاء کے ذریعہ ان کے مسائل جلد حل ہو گئے۔

۸) ہر قوم کی ایک تہذیب ہوتی ہے اور یہ تہذیب ہی اس قوم کی شناخت اور اس کے وجود کا سبب ہوتی ہے۔مدارس اسلامیہ نے مسلمانوں کو اسلامی تہذیب وتمدن پر قائم رہنے کی نہ صرف تلقین کی ہے بلکہ عمل کر کے اس کو محفوظ رکھنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔آج عالمی سطح پر دشمنان اسلام کا مقصد ہے کہ اسلامی تہذیب کو ختم کر کے مسلمانوں پر اپنی تہذیب تھوپ دیں۔مدارس اسلامیہ اور علماء کرام ان کے مقصد کی تکمیل میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں،لہٰذا دشمنان اسلام مدارس کو بدنام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔لیکن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا۔

۹) دنیا کے اطراف واکناف میں مسلمانوں کی فلاح وبہبود کے لیے مختلف ناموں سے چلنے والی جماعتوں اور تنظیموں میں بھی مدارس کا اہم رول ہے۔آج مسلمانوں کی سیاسی،سماجی اور تعلیمی سطح پر خدمت انجام دینے والی تنظیموں کی سرپرستی زیادہ تر فضلاء مدارس ہی کر رہے ہیں۔

۱۰) تعلیم کے ساتھ ساتھ نوجوان طلبہ کی تربیت اور ان کی اصلاح میں مدارس کا رول اہم ہے،چنانچہ مدارس میں فجر کے وقت جاگنے سے لے کر عشاء کے بعد سونے تک سبھی طلبہ کے کھانے پینے،پڑھنے لکھنے،کھیلنے کودنے اور دیگر ضروری امور کی پابندی نہایت منظم طریقہ سے کرائی جاتی ہے۔شریعت کی تعلیمات کے مطابق ان کی تربیت اور ذہن سازی کی جاتی ہے اور ان کو معاشرت کے اصول وآداب بھی بتائے جاتے ہیں تاکہ مدرسہ سے فارغ ہونے کے بعد گھر اور سماج میں ایک باوقار اور مثالی زندگی گزار سکیں۔

۱۱) مدارس میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے وہ اس قدر جامع ہوتا ہے کہ اس کو مزید سمجھنے کے لئے طلبہ کو الگ سے ٹیوشن کی ضرورت پیش نہیں آتی اور اگر درس کے دوران کوئی مسئلہ سمجھ میں نہیں آتا تو طلبہ بعد میں بھی بغیر کسی معاوضہ کے اساتذہ سے رجوع کر لیتے ہیں۔

۱۲) برصغیر میں قائم مدارس ومکاتب میں لاکھوں کی تعداد میں لوگ روزگار سے جڑے ہوئے ہیں اور وہ کم تنخواہ کے باوجود قناعت کرتے ہیں۔

غرضیکہ علماء کرام نے مساجد ومدارس ومکاتب کے ذریعہ بچہ کی ولادت کے وقت کان میں اذان دینے سے لے کر نماز جنازہ پڑھانے تک امت مسلمہ کی دینی وتعلیمی وسماجی رہنمائی کے لئے ایسی خدمات پیش کی ہیں کہ ایک مسلمان بھی ایسا نہیں مل سکتا جو ان خدمات سے مستفیض نہ ہوا ہو۔

عصری درس گاہوں میں دینی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری:

جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ اسلام نے عصری علوم کو حاصل کرنے سے منع نہیں کیا ہے،مگر یہ حقیقت ہے کہ آج جو طلبہ عصری درس گاہوں سے پڑھ کر نکلتے ہیں ان میں ایک بڑی تعداد دین سے بے بہرہ لوگوں کی ہوتی ہے اور ایک قابل لحاظ تعداد تو دین سے بیزار لوگوں کی ہوتی ہے۔اس کی ذمہ داری علماء کرام پر بھی عائد ہوتی ہے۔یہ حقیقت ہے کہ آج بھی مسلم سماج پر علماء کی جو گرفت ہے اس کی کوئی مثال نہیں ملتی،مساجد کا نظام علماء کے ہاتھ میں ہے،مدارس کی بہار ان ہی کے دم سے قائم ہے،بہت سی دینی جماعتوں اور تنظیموں میں وہ قبلہ نما کا درجہ رکھتے ہیں،لیکن موڈرن ایجوکیشن اور ٹیکنیکل تعلیم کی طرف انہوں نے خاطر خواہ توجہ نہیں کی ہے۔لہٰذا علماء کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود آگے بڑھ کر عصری تعلیم کے ایسے ادارے قائم کریں جن میں بنیادی دینی تعلیم نصاب میں داخل کی جائے اور پوری اہمیت اور توجہ کے ساتھ طلبہ کی دینی تعلیم وتربیت کا نظم کیا جائے تاکہ دین دار ڈاکٹر،دین دار انجینئر،دین دار وکیل بن کر مختلف شعبوں میں اسلامی فکر وعمل کی ترجمانی کریں۔مسلمانوں کے زیر اہتمام یونیورسٹیوں، کالجوں اور اسکولوں کے ذمہ داروں سے درخواست ہے کہ دینی تعلیم وتربیت کو صرف نام کے لیے نہ رکھا جائے کہ نہ اساتذہ اسے اہمیت دیں اور نہ طلبہ وطالبات،بلکہ شرعی ذمہ داری سمجھ کر ان کی دینی تعلیم وتربیت پر خاص توجہ دی جائے۔بچوں کے والدین اور سرپرستوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ اسکولوں وکالجوں کا انتخاب ایمان وعقیدے کی حفاظت کی فکر کے ساتھ کریں۔

محمد نجیب قاسمی سنبھلی (www.najeebqasmi.com)